بیادگار: مخدوم العالم قطب بنگال، گنج نبات شیخ عمر علاء الحق پنڈوی رحمۃ اللہ علیہ
بفیض روحانی: تارک السلطنت سیدنا حضور مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ
بفیض روحانی: مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان
زیر سرپرستی خلیفۂ حضور مفتیٔ اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مفتی عبد الغفور صاحب
جلد ۲
شمارہ ۶
سہ ماہی
پیغام مصطفیٰ
اتر دیناجپور
ستمبر، اکتوبر، نومبر ۲۰۱۹ء
مجلس ادارت
مدیر اعلیٰ: محمد ساجد رضا مصباحی
نائب مدیر: غلام محمد ہاشمی مصباحی
معاون مدیر: محمد عسجد رضا قادری
سرکولیشن مینجر: مولانا محمد مظفر حسین رضوی
مینجر: محمد وسیم رضا
مجلس مشاورت
مفتی محمد ذوالفقار علی رشیدی مصباحی
مفتی محمد شعیب عالم قادری نعیمی
مفتی محمد عارف حسین قادری مصباحی
مفتی محمد مبشر رضا ازہر مصباحی
مفتی فداء المصطفیٰ مصباحی
مجلس مشاورت
مولانا مختار عالم مصباحی
مولانا محمد اشتیاق احمد مصباحی
مولانا محمد عابد حسین مصباحی
مولانا احمد رضا قادری
مولانا محمد شارب ضیاء مصباحی
مولانا محمد سبحان رضا مصباحی
قیمت عام شمارہ: ۳۰ • سالانہ ۱۲۰
زیر اہتمام
مولانا محمد عسجد رضا قادری
بانی تنظیم عاشقان مصطفیٰ، شاہ پور بازار، علاقہ گوالپوکھر ضلع اتر دیناجپور بنگال
ناشر
تنظیم عاشقان مصطفیٰ
شاہ پور بازار، علاقہ گوالپوکھر ضلع اتر دیناجپور بنگال
ترسیل زر و مراسلت کا پتہ
تنظیم عاشقان مصطفیٰ
شاہ پور بازار تھانہ گوالپوکھر ضلع اتر دیناجپور بنگال ۷۳۳۲۱۰
E-mail:
paighamemustafa2018@gmail.com
Mob.: 9734927165-9473927746
7405410736

مشمولات

ہم نے سینچا ہے اسے خونِ جگر سے اپنے

آزادیٔ ہند میں علما کی قربانیاں اور مسلمانوں کے حوالے سے ملک کی موجودہ صورت حال

محمد ساجد رضا مصباحی: استاذ دارالعلوم غریب نواز داہوگنج، کشی نگر یوپی

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ ہندوستان کو انگریزی ظلم واستبداد سے نجات دلانے اور یہاں کے باشندوں کو برطانوی سامراج کی غلامی سے آزاد کرانے میں علماے کرام کا اہم کردار رہا ہے۔ ہندوستانی علما اور یہاں کے عام مسلمان آزادی کی پوری جدوجہد میں مکمل جوش و خروش کے ساتھ پیش پیش رہے۔ یہی وجہ ہے انگریز اپنا اصل حریف اور دشمن یہاں کے مسلمانوں ہی کو سمجھتے تھے، اور زندگی کے ہر میدان میں مسلمانوں کا قافیۂ حیات تنگ کرنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیے جا رہے تھے اور انہیں بے انتہا جبر وظلم کا نشانہ بنایا جا رہا تھا بلکہ منظم طور پر ہر شعبۂ حیات میں انہیں بے اثر بلکہ پس ماندہ بنانے کی مسلسل سازش رچی جا رہی تھیں۔

آزادی کی پہلی جنگ انقلاب ۱۸۵۷ء میں اگرچہ یہاں کے ہندو بھی شریک تھے، لیکن قومی حیثیت سے ان کے اندر وہ جوش وجذبہ مفقود تھا جس کی چنگاریاں مسلمانوں کے دلوں میں بھڑک رہی تھیں، یہی وجہ ہے کہ ہندو مورخین کے اندر تاریخ انقلاب کے حوالے سے وہ دل چسپی نظر نہیں آتی جو ہونی چاہیے، اور جن مورخین نے دل چسپی دکھائی تو انہیں تاریخی حقائق سے چھیڑ چھاڑ کر کے اپنی آبرو بچانے کی ضرورت پڑ گئی۔

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جدوجہدِ آزادی کے ابتدائی سو سال تک مَین رول میں صرف یہاں کے مسلمان ہی رہے جو اپنے علما کی قیادت میں برطانوی سامراج سے ٹکرا کر ہر طرح کی قربانی دیتے رہے، بعد میں برادرانِ وطن بھی ساتھ آئے، مگر ۱۹۲۰ء تک ان کا کوئی قابل ذکر اور مرکزی کردار نظر نہیں آتا۔ ۱۹۲۰ء کے بعد آزادی کے تیسرے اور آخری دور میں پورے جوش وخروش سے انہوں نے بھی حصہ لیا، مگر مسلمان اب بھی کسی سے پیچھے نہیں تھا، مسلمانوں کی متعدّد جماعتیں، تنظیمیں اور تحریکیں سرگرم عمل تھیں، ان کے قائدین اور کارکنان قید وبند کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے، جنگ آزادی کی تقریباً دو سو سالہ تاریخ میں مسلمانوں نے کبھی بھی انگریز سے سمجھوتہ نہیں کیا، بلکہ ہر موڑ اور ہر منزل پر اس کے ناپاک عزائم کی راہ میں حائل رہے، اور اس کے ناپاک چنگل سے وطن عزیز کو آزاد کرانے کے لیے ہر طرح کوشاں، اور ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار رہے۔ ایک اندازے کے مطابق پوری جنگ آزادی میں پانچ لاکھ مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔

۱۸۵۷ء میں ناکامی کے بعد انگریزوں نے ظلم وستم کا جو بازار گرم کیا اور قتل وغارت گری کی جو داستان رقم کی، اس کا اصل نشانہ یہاں علما ہی بنے، انگریزوں نے علماے کرام پر جو لرزہ خیز مظالم ڈھائے اس کو سن کر کلیجہ منھ کو آتا ہے، تاریخ نگاروں کے بقول صرف تین دن میں چودہ ہزار علما کو شہید کر دیا گیا، چاندنی چوک سے لے کر خیبر تک کوئی درخت ایسا نہیں تھا، جس پر علما کی لاشیں نہ لٹک رہی ہوں، بادشاہی مسجد لاہور میں ایک ایک دن میں چالیس چالیس علما کو پھانسیاں دی گئیں، انہیں توپ کے دہانے سے باندھ کر توپ چلا دیا جاتا، جس سے ان کے جسم کے پرخچے اڑ جاتے تھے، انہیں زندہ آگ میں جلایا گیا، ہزاروں کو کالا پانی کی سزا سنائی گئی، بے شمار لوگوں کو نذرِ زنداں کیا گیا، ان کے املاک کو ضبط کر لیا گیا اور نہ جانے کن کن مصائب وآلام سے انہیں دوچار ہونا پڑا۔

ایک انگریز فوجی افسر، ہنری کوٹن [Henry Cotton] بیان کرتا ہے کہ:

”دہلی دروازہ سے پشاور تک، گرینڈ ٹرنک روڈ کے دونوں ہی جانب شاید ہی کوئی خوش قسمت درخت ہوگا، جس پر انقلاب ۱۸۵۷ء کے رَدِّعمل اور اسے کچلنے کے لیے ہم نے، ایک، یا۔ دو عالمِ دین کو پھانسی پر، نہ لٹکایا ہو۔ ایک اندازہ کے مطابق، تقریبًا، بائیس ہزار عُلَما کو پھانسی دی گئی۔“ ”مسلمان مجاہدین‘ کے نام سے لکھی گئی اپنی کتاب میں ایک غیر مسلم مؤرخ لکھتا ہے:

”ایک اندازہ کے مطابق، ۱۸۵۷ء میں پانچ لاکھ مسلمانوں کو پھانسیاں دی گئیں۔ جو بھی معزّز مسلمان، انگریزوں کے ہاتھ لگ گیا، اُس کو ہاتھی پر بٹھایا گیا اور درخت کے نیچے لے گئے۔ اُس کی گردن میں پھنداڈال کر ہاتھی کو آگے بڑھایا گیا۔ لاشیں، پھندے میں جھول گئیں۔ آنکھیں، اُبل پڑیں۔ زبان، منہ سے باہر نکل آئی۔“

پہلی جنگ آزادی میں علمائے کرام کی قربانیوں کے حوالے سے معروف دانشور اور صحافی حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی لکھتے ہیں:

” انقلاب ۱۸۵۷ء کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ علمائے اہل سنت نے اس جنگ کو جہاد کا نام دیا تھا، علامہ فضل حق خیر آبادی، مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی، مولانا فیض احمد بدایونی، مولانا کفایت علی کافی مراد آبادی، مولانا لیاقت علی الہ آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، سید مبارک شاہ رام پوری، مولانا رضا علی بریلوی وغیرہ سیکڑوں علمائے اہل سنت نے فتوائے جہاد کی اپنے اپنے علاقوں میں خوب تشہیر کی اور ملک بھر میں ایثار وقربانی کی عام لہر پیدا کر دی۔ یہ اسی فتوائے جہاد کا اثر تھا کہ ہزاروں علما نے اس جنگ میں حصہ لیا اور جیل کی سلاخوں سے لے کر پھانسی کے پھندوں تک کا سفر بہ آں عزم و حوصلہ مسکراتے ہوئے طے کیا۔“ [ماہ نامہ اشرفیہ، انقلاب ۱۸۵۷ نمبر شمارہ اگست ۲۰۰۸ء، ص:۴]

الغرض ہمارے علمائے کرام اور ہمارے پُرکھوں نے ہر طرح کی قربانی دے کر اس ملک کو انگریزوں کے پنجۂ استبداد سے آزاد کرایا، لیکن شومئ قسمت کہ جب آزادی کا وقت قریب آیا تو وہ قومیں جو ہزاروں سال سے باہم شیر و شکر تھیں، ایک سازش کے تحت انہیں آپس میں ٹکرا دیا گیا، اور فسادات کی اس آگ کو اتنا بھڑکایا گیا کہ بظاہر یہ محسوس ہونے لگا کہ اب اس ملک میں ہندو مسلمان ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ پھر تقسیم کا فارمولا سامنے رکھا گیا، یہاں ہزار سالہ باہمی پیار و محبت کی تاریخ ہار گئی، اور مفاد پرستی غالب آگئی، اور ملک دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ بظاہر یہ ملک کی تقسیم تھی، لیکن در حقیقت یہ ہندوستان کے مسلمانوں کی تقسیم تھی، تاکہ سیاسی طور پر برّ صغیر میں مسلمانوں کو بے وزن کر دیا جائے۔ تقسیمِ وطن کے مذکورہ فارمولے پر گرچہ زعمائے ہند نے اپنی دستخطوں سے مہر تصدیق ثبت کر دیا تھا، تاہم مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت نے مذہب کے نام پر بنائے گئے اس الگ ملک کو قبول نہیں کیا، اور ہندوستان ہی میں رہنے کو ترجیح دی، ہندوستانی آئین نے بھی ان کے حقوق کی مکمل ضمانت دی، انہیں مساوات کا حق دیا اور پھلنے پھولنے اور ترقی کرنے کا یکساں موقع فراہم کیا۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر اور ان کی ٹیم کے تیار کردہ آئین نے ہمیں جو حقوق عطا کیے تھے، آزادی کے بعد سے ہی اس کی پامالی لگاتار جاری ہے۔ ایک پلاننگ کے تحت فوج، پولیس، عدلیہ، مقننہ اور دوسرے سرکاری اداروں سے ریٹائر ہونے والے مسلم اہلکاروں کی جگہ مسلم نوجوانوں کو خدمت کا موقع فراہم نہیں کیا گیا، جس سے حکومتی اداروں میں ان کا تناسب آٹے میں نمک کے برابر ہو گیا۔ بابری مسجد میں مورتی رکھ کر پہلے اسے مقفل کیا گیا، پھر ۱۹۹۲ء میں فرقہ پرست طاقتوں نے آئین و قانون کا سرِعام مذاق اڑاتے ہوئے دن کے اجالے میں اسے شہید کر کے یہاں کے مسلمانوں کو واضح طور پر یہ پیغام دے دیا، کہ ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ آزادی کے بعد سے فسادات کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہے، ہندوستان کے جس حصے میں بھی مسلمان معاشی و اقتصادی طور پر اُبھرے، منظم طریقے پر فسادات کی آگ بھڑکا کر ان کی معیشت کو تباہ کر دیا گیا، عصمتوں پر ڈاکے ڈالے گئے، اور قتل و خون ریزی کا ننگا رقص کیا گیا، باقی کسر ہماری بہادر پولیس مظلوم مسلمانوں کو جیلوں میں ڈال کر اور طرح طرح کے مقدمات میں پھنسا کر پوری کرتی رہی، جس پر مختلف کمیشنوں کی رپورٹیں شاہد ہیں۔ تعلیم یافتہ اور برسرِ روزگار مسلم نوجوانوں کو خود ساختہ الزامات کی وجہ سے گرفتار اور دہشت گردی کے فرضی مقدمات قائم کر کے دس دس سال پندرہ پندرہ سال جیلوں میں ڈال کر ان کے کیریئر کو تباہ کرنے کا مذموم سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

یہ حادثات ہی کیا کم تھے کہ ۲۰۱۴ء میں بی جے پی کے مسندِ اقتدار پر فائز ہونے کے بعد فرقہ پرست طاقتوں نے موب لنچنگ کے عنوان سے ظلم وستم کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا، جنونی عوامی بھیڑ کے ذریعے جس کو چاہا پیٹ پیٹ کر قتل کر دیا۔ دادری کے اخلاق سے لے کر حافظ جنید، پہلو خان اور اکبر خان سمیت کتنے ایسے بے گناہ ہیں، جو ان کے ظلم کا نشانہ بنے۔ طرّہ یہ کہ علانیہ طور پر یہ لوگ اپنے ان مذموم کرتوتوں کا ویڈیو بنا کر سوشل سائیٹس پر ڈال دیتے ہیں۔ ان کے دلوں میں قانون کا کوئی خوف نہیں، اور ہو بھی کیوں؟ جب اقتدار میں بیٹھے کچھ فرقہ پرست لوگوں کے مضبوط ہاتھ ان کی پشت پر ہیں، پھر خواہ گھر واپسی کا مسئلہ ہو یا طلاق ثلاثہ کا، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی اور جامعہ ملیہ کے اقلیتی کردار کا معاملہ ہو، یا مرکزی حکومت کا تعصب پر مبنی شہریت بل لانے کا معاملہ، موجودہ حکومت کی ان تمام مسائل میں گہری دلچسپی رہی، اور درِ پردہ ان سازشوں کو تقویت پہنچانے کے لیے اس کی مکمل تائید حمایت اور مدد بھی شامل رہی۔

پولرائزیشن کی سیاست کے ذریعہ ۲۰۱۴ میں اقتدار کی کرسی تک رسائی حاصل کرنے والی حکومت نے ۲۰۱۹ء میں بھی اسی ہتھکنڈے کو مکمل شد ومد کے ساتھ استعمال کیا، الیکشن میں کامیابی کے لیے ایک منظم منصوبے کے تحت ہندوستان کے اکثریتی طبقہ کو باور کرایا گیا کہ ان کا مذہب خطرے میں ہے، اگر یہاں کوئی دوسری پارٹی برسر اقتدار ہو گئی تو یہ ملکی مفادات کے ساتھ اکثریتی طبقہ کے مذہبی مفادات کے لیے بڑا خطرناک ثابت ہوگا، ملک کی ساخت کمزور ہو جائے گی، پڑوسی مسلم ملک [جو خود اپنے مسائل سے پریشان ہے] ہندوستان کو نگل جائے گا، اکثریتی طبقہ کا نام ونشان یہاں سے مٹ جائے گا، ان مفروضات کو اس طرح سجا سنوار کر اور منظم انداز میں پیش کیا گیا کہ ہندوستان کی بھولی بھالی عوام اس پر یقین کر بیٹھی اور پروپیگنڈہ کرنے والے اپنے مقصد میں صد فی صد کامیاب ہو گئے۔

۲۰۱۹ء میں مرکز میں بی جے پی حکومت آنے کے بعد یہاں کے امن پسند باشندوں کا خوف وہراس بالکل فطری تھا، لیکن حکومت سازی کے دوران وزیر اعظم نے اپنے ممبران پارلیمنٹ کو جس انداز میں خطاب کیا اور جس طرح یہاں کے تمام باشندوں کے یکساں تحفظ اور اور یکساں ترقی کا وعدہ کرتے ہوئے ”سب کا ساتھ، سب کا وکاس“ کے پرانے نعرے کے ساتھ ”سب کے وشواش“ کا اضافہ کیا اس سے یہاں کی اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں میں ایک طرح سے امید جگی اور وزیر اعظم کے اس خطاب کی ہر چہار جانب ستائش بھی ہوئی، لیکن حکومت سازی کے چند دنوں کے بعد ہی سے ملک میں جس طرح کے حالات پیدا ہوئے اور جس طرح نفرتوں کا بازار گرم ہوا، اس نے اس خطاب اور ”سب کا ساتھ، سب کا وکاس، اور سب کا وشواش“ کے نعرے کی معنویت یک لخت ختم کر دی، مرکز میں بھاری اکثریت کے ساتھ دوبارہ بی جے پی حکومت بننے کے بعد گویا شر پسند عناصر کو کھلی چھوٹ مل گئی ہو، اب نہ تو انہیں پولیس کا ڈر ہے اور نہ قانون اور سزا کا خطرہ، انہیں لگتا ہے پولیس بھی ہماری ہے، کورٹ بھی ہمارا ہے، جیل خانے ہمارے لیے چند دنوں کی تفریح گاہیں ہیں، ہم یہاں کے حکمراں ہیں یہاں کے مسلمان ہماری بے دست وپا رعایا۔

ان دنوں روزانہ موب لنچنگ کے واقعات رونما ہو رہے ہیں، مسلمان ہر جگہ اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کر رہا ہے، پولیس محکمہ بھی مسلمانوں کے ساتھ مکمل تعصب کا برتاؤ کر رہا ہے، اب جب کہ پوری دنیا میں ہندوستان کے موجودہ حالات پر تشویش کا اظہار کیا جا رہا ہے اور وطن عزیز کی عالمی سطح پر بدنامی ہو رہی ہے، ایسے نازک حالات میں بھی حکومت کی جانب سے کوئی سخت قدم نہیں اٹھایا جانا انتہائی تشویش کی بات ہے۔

ہندوستان کی تعمیر وترقی کے لیے علمائے کرام نے جو قربانیاں پیش کیں اور ہندوستانی مسلمانوں نے جس طرح اپنا خون جگر پیش کیا، وہ یقیناً وطن کے تئیں ان کے پاکیزہ جذبات کی عکاسی کرتا ہے، ہندوستانی مسلمانوں نے کبھی بھی اس کی پیشانی پر دھبہ لگنے نہیں دیا، ہر موڑ پر اسے اپنا وطن سمجھا اور اپنی قربانی پیش کی، لیکن اس کے باجود یہاں کے اکثریتی طبقہ کے لوگ انھیں شک کی نگاہ سے دیکھنے سے باز نہیں آتے، یہاں کے مسلمانوں نے بارہا یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ پڑوسی ملک پاکستان کی حرکتوں سے ان کا کوئی لینا دینا نہیں ہے، وہاں سے اگر ہمارے

وطن عزیز کے خلاف کوئی شرانگیزی ہوتی ہے تو اسے منہ توڑ جواب دیا جانا چاہیے، ہر ہندوستانی مسلمان اپنے ملک کی حفاظت اور سالمیت کو ہر حال میں مقدم رکھتا ہے، یہی ہمارے اسلاف اور اکابر کی روش رہی ہے، اسی پر ہم بھی مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں۔

منظم پلاننگ کے تحت ماب لنچنگ کا جو ناپاک کھیل کھیلا جارہا ہے وہ یقینا ہندوستان کے ماتھے پر ایک بدنما داغ ہے، اسی طرح ہندوستان میں ہندو مذہب کی بالادستی ثابت کرنے کے لیے مسلمانوں سے جبرا "جے شری رام" کے نعرے لگوانا ہندوستانی آئین کے بھی خلاف ہے اور تہذیب وشائستگی کے بھی منافی، ان حالات میں ہندوستانی میڈیا کی ذمے داری تھی کہ غیر جانب دار ہوکر حقائق کو اجاگر کرنے اور مظلوموں کو انصاف دلانے کا کام کرتا، لیکن یہاں کی میڈیا نے چاپلوسی کی انتہا کردی ہے، یہاں کا ٹی وی اینکر حکمراں پارٹی کے ہر قدم کو درست ٹھہرانے کا ذمہ اپنے سر لے کر ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے، اس وقت ہندوستان کا الیکٹرانک میڈیا ہندو مسلم کے درمیان منافرت پھیلانے والے موضوعات پر ڈیبیٹ کراکر جلتی میں تیل ڈالنے کا کام کررہا ہے، کچھ ٹی وی چینلز تو کھلے عام مسلمانوں کو گالی دینے اور ان کے خاتمے کی بات کر کے ہندوؤں کو بھڑکا کر اپنی ٹی آر پی بڑھانے میں مگن ہیں اور برسر اقتدار پارٹی کی چاپلوسی میں اول مقام حاصل کرنے کے لیے صحافت کے سارے اصولوں کا خون دن کے اجالے میں کررہے ہیں۔ حال ہی میں اناؤ کے ایک مدرسہ کے طلبہ کے ساتھ زدوکوب اور انہیں جبرا جے شری رام کے نعرے لگوانے کا معاملہ سامنے آیا، سارے ٹی وی چینلز نے اس افسوس ناک خبر کو کوریج دیا، لیکن دوسرے ہی دن یہ ساری کہانی بدل دی گئی، چوبیس گھنٹے کے اندر ٹی وی چینلز نے مجرم کو بے قصور اور مظلوم طلبہ اور ان کے اساتذہ کو امن وشانتی کا دشمن بناکر پیش کردیا۔ یقینا یہ حالات بہت افسوس ناک ہیں، ملک کے ان ناگفتہ بہ حالات پر کسی کو اضطراب ہو یا نہ ہو، یہاں کے مسلمانوں میں شدید اضطراب ہے، صرف اس لیے نہیں کہ ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں، بلکہ اس لیے بھی کہ یہ وطن ہمارا ہے، اس گلشن کی آبیاری کے لیے ہمارے آباواجداد نے خونِ جگر پیش کیا ہے، اس کی بقا کے لیے ہمارے علمانے قید وبند کی صعوبتیں برداشت کی ہیں، انگریزوں کے لرزہ خیز مظالم کا سامنا کیا ہے اور اس کے استحکام کے لیے اپنی جانوں تک کا نذرانہ پیش کیا ہے۔

جب پڑا وقت ، گلستاں کو خون ہم نے دیا
بہار آئی تو کہتے ہیں تیرا کام نہیں

موجودہ ملکی حالات اور تناؤ کی تشویش ناک صورت حال پر ہندوستان کا ہر امن پسند شہری مضطرب ہے، ایسا نہیں ہے کہ یہاں کا ہر ہندو مسلمانوں کے خلاف برسرِپیکار ہے بلکہ ایک طبقہ ہے جو مسلسل زہر افشانی کرکے ماحول کو گرم بنائے رکھنے میں اپنی عافیت محسوس کرتا ہے، ہندو انتہا پسند تنظیمیں اس سلسلے میں اہم کردار ادا کررہی ہیں، آزادی کے بعد سے جن ہندو تنظیموں نے ہندوؤں کا ٹھیکہ اٹھا رکھا ہے اور یہاں کی نئی نسل میں مسلمانوں کے حوالے سے زہر بھرنے کی کوششیں کررہی ہیں اب انھیں اپنا خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا ہوا نظر آرہا ہے، انھیں لگ رہا ہے کہ یہاں کے مسلمانوں کا عرصۂ حیات تنگ کرنے کا یہ صحیح وقت ہے، اسی سنہرے وقت میں اپنے سارے ناپاک منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا لیا جائے، برسوں کی محنت کا پھل کھا لیا جائے، حالاں کہ ہندوستان کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والا شخص ان کے ان نظریات کو خام خیالی سے زیادہ اہمیت نہیں دے گا۔ ہندوستان میں اس سے بھی زیادہ پُرآشوب دور گزر چکے ہیں، ہندوستانی تاریخ کے صفحات میں ہندو مسلم تصادم کے بڑے بھیانک واقعات موجود ہیں، لیکن اس سرزمین کی یہ خوبی رہی ہے کہ یہاں ہمیشہ نفرت وعداوت کی ہار ہوئی ہے اور قومی یک جہتی ہمیشہ سرخرو رہی ہے، جس دن ہندوستانیوں کو سیاسی بازیگروں کا اصل چہرہ نظر آگیا اور ہندو مذہب کے ٹھیکیداروں کے مذموم مقاصد کا صحیح علم ہوگیا اسی دن ان شاء اللہ حالات بدلیں گے اور ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کا بول بالا ہوگا۔ ☆☆☆

ظہور قدسی کی بشارتیں قرآن کی روشنی میں

مولانا مختار احمد مصباحی : الجامعۃ الحفیظیہ سراج العلوم راساکھوا اتر دیناج پور

کائنات رنگ وبو میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری کے تذکرے آپ کی آمد سے قبل بھی بڑے اہتمام سے کیے جاتے تھے۔ گزشتہ آسمانی کتب کے اندر مختلف پیرایوں میں آپ کی تشریف آوری کے گن گان کیے گئے ہیں۔ انبیاے سابقین نے بھی اپنی اپنی امتوں کو آپ کی بعثت کی بشارتیں سنائی ہیں اور امم سابقہ میں بھی ہر دور میں آپ کی آمد کے چرچے عام رہے ہیں، گویا اللہ تعالی نے اپنے محبوب کی آمد سے قبل ان کی عظمتوں سے اہل جہاں کو باخبر کر کے یہ باور کرا دیا کہ آنے والی ذات دنیا کی سب سے عظیم اور افضل واعلی ذات ہے. وہی باعث تخلیق کائنات ہیں، دنیا وآخرت میں ہر زبان پر انہی کے چرچے ہوں گے، ہر دل انہی کا شیدا ہوگا، ہر آنکھ انہی کی تمنائی ہوگی، ہر محفل میں انہی کے جلوے ہوں گے۔ ہر دور ان کا دور کہلائے گا، ہر زمانہ ان کا زمانہ ہوگا۔ آنے والا نبی اخری نبی ہوگا، نبوت کا سلسلہ آپ پر ختم کر دیا جائے گا۔

قرآن کریم میں بھی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری کی بشارتوں کا تذکرے آئے ہیں۔ آپ کو دعاے خلیل کہا جاتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے تعمیر کعبہ کے وقت اپنی اولاد کی سلامتی اور مکۃ المکرمہ میں رزق کی وسعتوں اور برکتوں کے ساتھ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت کے لیے بھی خصوصی دعا فرمائی تھی. آپ کی دعا کو قرآن کریم میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُزَكِّیْهِمْؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۠ ﴿۱۲۹﴾ [البقرۃ ۱۲۹]

ترجمہ: اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انھیں میں سے کہ ان میں تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور نہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انھیں خوب ستھرا فرمادے، بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

انبیاے کرام کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں، حضرت ابراہیم کی دعا بھی شرف قبولیت سے مشرف ہوئی، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خاک دان گیتی پر تشریف لائے۔

ہمیں قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ظہور قدسی کی بشارتیں اگلے آسمانی صحیفوں میں بھی مذکور ہیں، قرآن کریم میں متعدّد مقامات پر الگ الگ پیرائے میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

سورۂ شعرا میں فرمایا گیا:

وَ اِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ اَوَ لَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَؕ ﴿۱۹۷﴾ ﴿۱۹۶﴾ [الشعراء/۱۹۶]

ترجمہ: اور بے شک ان کا چرچا اگلی کتابوں میں ہے، اور کیا یہ ان کے لیے نشانی نہ تھی اس نبی کو جانتے ہیں بنی اسرائیل کے عالم۔

اسی کے تحت تفسیر خزائن العرفان میں ہے:

”اپنی کتابوں سے لوگوں کو خبریں دیتے ہیں ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا کہ اہل مکہ نے یہود مدینہ کے پاس اپنے معتمدین کو یہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا نبی آخر الزماں ، سید کائنات محمد مصطفی ﷺ کی نسبت ان کی کتابوں میں کوئی خبر ہے؟ اس کا جواب علماے یہود نے یہ دیا کہ یہی ان کا زمانہ ہے اور ان کی نعت ووصف توریت میں موجود ہے۔“

سورۂ اعراف میں ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْؕ. [الاعراف/۱۹۷،۱۹۶]

ترجمہ: وہ جو غلامی کرتے ہیں اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع کرے گا اور ستھری چیزیں ان کے لیے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام فرمائے گا۔

قرآن مجید میں حضرت عیسی علیہ السلام کی زبانی دی گئی ایک بشارت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، فرمایا گیا:

وَ اِذْ قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ۝ [الصف/٦]

ترجمہ: اور یاد کرو جب عیسی بن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے، ان کا نام احمد ہے، ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تشریف لائے، بولے یہ کھلا جادو ہے۔

توریت، انجیل اور زبور وغیرہ آسمانی کتابوں میں اس قدر تحریف کردی گئی ہے کہ اس کی اصلی شکل اب مفقود ہے، اس کے باوجود موجودہ توریت وانجیل میں بھی سرکار ﷺ کی بعثت کی جو خوش خبریاں سنائی گئی ہیں اس کے بعض نمونے آج بھی موجود ہیں، ہم یہاں موجودہ توریت اردو مترجم نسخے سے ایک حوالہ پیش کرتے ہیں۔

توریت کے صحیفہ استثنا ۱۸ میں ہے:

''اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ انھوں نے جو کچھ کیا اچھا کیا، میں ان کے بعد ان کے بھائیوں میں تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منھ میں ڈالوں گا۔

یقیناً سید عالم ﷺ کی بعثت عالم انسانی کا ایک عظیم واقعہ ہے جس کے تذکرے گزشتہ قوموں میں بھی تھے، سابقہ آسمانی کتابوں بھی ان کی عظمتوں کے خطبے پڑھے گئے اور آج تک ان کی مدح وثنا اور ذکر میلاد کا سلسلہ جاری اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔

خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا
دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

☆☆☆

(...... صفحہ نمبر ۴۷ رکا بقیہ حصہ)

۲۶ رواں عرس شیر بنگال غیاث الدین علیہ الرحمہ

۱۰ شوال المکرم ۱۴۴۰ھ ۱۴ رجون ۲۰۱۹ء بروز جمعہ ناشر مسلک اعلیٰ حضرت علامہ ومولانا الحاج غیاث الدین علیہ الرحمۃ والرضوان کا ۲۶ رواں سالانہ عرس مقدس آپ کے آستانہ اور مدرسہ دارالعلوم فیض عام کونہ ونوری نگر کمات اتر دیناج پور بنگال کے وسیع و عریض میدان میں سابقہ روایات کے مطابق میں منایا گیا۔ بعد نماز فجر درگاہ شیر بنگال علیہ الرحمہ میں قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا۔

بعد نماز عشا جلسۂ عام کا انعقاد حضرت مولانا ظہیر الدین صاحب کی صدارت میں ہوا، مقرر خصوصی کی حیثیت سے حضرت علامہ مولانا مفتی ذوالفقار احمد رشیدی مصباحی نے شرکت فرمائی جب کہ قرب جوار کے درجنوں علمائے کرام بھی شریک ہوئے، حضرت مولانا فرید کونہ کے مختصر بیان کے بعد نعت ومنقبت کا دور چلا، پھر حضرت مولانا مفتی ذوالفقار احمد رشیدی مصباحی صاحب نے اصلاح معاشرہ، کے حوالے سے زبردست گفتگو فرمائی۔

انھوں نے فرضی مزارات اور مزارات پر ہونے والے خرافات پر بڑے واضح انداز میں فرمایا کہ فرضی مزارات پر منایا جانے والا عرس ناجائز وحرام ہے، ہمارے علاقے میں اس سلسلے میں بڑی بے راہ روی شروع ہوگئی ہے جس پر قابو پانا بے حد ضروری ہے، اس سلسلے میں علمائے کرام اور ذمے داران کو پیش قدمی کرنی چاہیے، انہوں نے مزید کہا مزارات پر عورتوں کی حاضری بے شمار برائیوں کا دروازہ کھولتی ہے، عورتوں کی شرکت سے بے حیائی پھیلتی ہے، عرس کا تقدس پامال ہوتا ہے، اس لیے فقہائے کرام میں اعراس میں خواتین کی شرکت کو ناجائز قرار دیا ہے۔

فاتحہ خوانی و دعاے خیر کہ بعد نیاز عام کا اہتمام رہا۔ عرس شریف میں کثیر تعداد میں علماء دین عاشقانِ اولیاء نے شرکت فرما کر سعادتِ دارین حاصل کی۔

رپورٹ: نبیرۂ شیر بنگال مولانا محمد راقب علی رضوی

ضیاے حدیث

اتباع سنت: احادیث کی روشنی میں

مفتی محمد طاہر حسین مصباحی: جامعہ عربیہ اہل سنت مصباح العلوم بدھیانی خلیل آباد

آقاے کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم بنی نوع انسان کی رشد وہدایت کے لیے مبعوث کیے گئے، آپ نے بڑے نازک حالات میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ انجام دے کر خطۂ عرب اور پوری دنیا میں اسلام کا نور پہنچایا، بھٹکتی انسانیت کو معبود حقیقی کی معرفت کا سلیقہ عطا کیا، عرب کے وحشی صفت انسانوں کو تہذیب وتمدن اور طہارت وپاکیزگی کا نمونہ بنادیا، آپ نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ اپنے دامن کرم سے وابستہ ہر فرد کے لیے ایک دستور حیات عطا فرمایا، اس اسلامی دستور میں زندگی کے ہر شعبے سے متعلق واضح ہدایات وارشادات موجود ہیں، کھانے پینے، رہنے سہنے، اٹھنے بیٹھنے سے لے کر تجارت ومعیشت، شادی بیاہ، نکاح طلاق اور زندگی کے ہر مرحلے سے متعلق دفعات موجود ہیں۔

آپ کی سیرت طیبہ کا ایک ایک گوشہ مومنین کے نمونہ عمل اور بہترین اسوہ ہے، آپ کے ارشادات کو عملی جامہ پہنانا مسلمانوں کے لیے دینا وآخرت کی بھلائی کا ذریعہ ہے، اسی لیے رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: من یطع الرسول فقداطاع اللہ [سورۂ نساء، آیت ۸۰]

جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

سرکار اقدس ﷺ کی اطاعت آپ کی حیات ظاہری میں بھی ضروری تھی اور اب بھی لازم ہے، اتباع سنت ایمان کی اساس ہے، جو اس راہ سے برگشتہ ہوا اس نے اپنی تباہی کا سامان کیا، اور جس نے اسے مضبوطی سے پکڑا اس نے دارین کی سعادتوں کو جمع کیا۔ آیئے! اتباع سنت رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سلسلے میں چند احادیث کریمہ کا مطالعہ کریں اوران پر عمل کر کے اپنی دنیا وآخرت کو کامیاب بنائیں۔

بخاری شریف کی حدیث پاک ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کل امتی یدخلون الجنۃ الا من ابی قالو! ومن یابی قال من اطاعنی دخل الجنۃ ومن عصانی فقدابیٰ [بخاری شریف، ج ۲، ص: ۱۰۸۱، باب الاقتداء لسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الاعتصام]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آقاے کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میری امت کے سب لوگ جنت میں جائیں گے سوائے اس شخص کے جس نے انکار کیا توصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: انکار کس نے کیا! نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن ابی رافع رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لاالفین احدکم متکئاعلی اریکتہ بانیہ امرممامرت بہ اونھیت عنہ فیقول: لاادری ماوجدنافی کتاب اللہ اتبعناہ [ترمذی شریف، ج ۲، ص: ۹۵ باب مانھی ان یقال الخ]

حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کسی کو نہ پاؤں مسہری پر تکیہ لگا کر یہ کہتے ہوئے حالاں کہ اس کے پاس میرے احکام سے جس کا میں نے حکم دیا، یا جس سے میں

نے منع کیا کوئی حکم پہنچے اور وہ کہہ دے کہ ہم نہیں جانتے، جو قرآن کریم میں پائیں گے، ہم اس کی پیروی کریں گے۔

سنن ابوداؤد میں ہے:

عن العرباض بن سارية رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله تعالىٰ عليه وسلم ايحسب احدكم متكئاعلى اريكته ان الله لم يحرم شيئا الامافى هذالقرآن .الاانى والله قدامرت وعظمت ونهيت عن اشياء انهاكمثل القرآن اواكثر. [السنن لابی داؤد۔ ج۲،ص۴۳۲]

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا! کیا کوئی اپنے تخت پر تکیہ لگائے گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بس یہی چیزیں حرام کی ہیں جو قرآن میں لکھی ہیں سن لو! خدا کی قسم! میں نے حکم دیا اور نصیحتیں فرمائیں اور بہت چیزوں سے منع فرمایاکہ وہ قرآن کی حرام فرمائی اشیاکے برابربلکہ بیشترہیں۔

مسند امام احمدابن حنبل میں ہے:

عن عبدالله بن عمررضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :ان لكل عمل شره ولكل شره فتره ،فمن كانت فتبرته الىٰ سنتى فقداهتدى ومن كانت الىٰ غير ذلك فقد هلك.[المسندلاحمدبن حنبل ج۲،۱۸۸]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: ہرعمل کے لیے ایک جوش ہوتا ہے اور ہر جوش کا ایک فتور ہے توجو فتور کے وقت بھی میری سنت ہی کی طرف رہے ہدایت پائے۔ اور جو سنت چھوڑ کر دوسری طرف جائے ہلاک ہو۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :من احياسنة من سنتى قداميتت بعدى فان له من الاجرمثل اجورمن عمل بهامن غيران ينقص من اجورهم شيئا.[ترمذی شریف، ج۲،ص:۹۶]

حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: جس نے میرے بعد میری مردہ سنت کو زندہ کیا تواس کو عمل کرنے والوں کے برابر ثواب ملے گا اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی۔

الترغیب والترہیب میں ہے:

عن عبدالله بن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله تعالىٰ عليه وسلم :من تمسك بسنتى عندفسادامتى فله اجرمائة شهيد. [الترغیب والترہیب للمنذری، ج۱، ص:۱۹]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: جوفسادامت کے وقت میری سنت کو مضبوطی سے تھامے گا اس کے لیے سوشہیدوں کا ثواب ہے۔

ان احادیث کریمہ کے مطالعہ کے بعد یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ ایک مسلمان کے لیے سنت رسول کو ہر لمحے پیش نظر رکھنا چاہیے، اور اسی کو اپنی زندگی کے لیے مشعل راہ بنانا چاہیے۔ یہ بھی یاد رہے کہ جس طرح عبادات [نماز، روزہ، اور حج وغیرہ] میں اتباع سنت مطلوب ہے، اسی طرح اخلاق وکردار، کاروبار، حقوق العباد اور دیگر معاملات میں ہر وقت، ہر جگہ سنت کی پیروی مطلوب ہے، اسی میں اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول آقائے کریم ﷺ کی رضااور خوشنودی ہے۔ ایک مومن کی یہی کامیابی وکامرانی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول نبی کریم ﷺ کو راضی کرلے، محض فرض واجب اور عبادت کے چند مسائل پر توجہ دینا زندگی کے باقی معاملات میں اتباع سنت کو نظرانداز کردینا کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں ہوسکتا ہے۔ رب قدیر کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہم سب کو سنت رسول پر عمل کرنے کی توفیق عطافرمائے۔

☆ ☆ ☆

شرعی رہنمائی

آپ کے سوالات مفتیان عظام کے جوابات

قارئین اپنے سوالات درج ذیل ای میل آئی ڈی اور واٹسپ نمبر پر بھیج سکتے ہیں۔
Paighamemustafa2018@gmail.com　　WhatsApp 8953078321

قرآن کی قسم کھانا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ زید اور ہندہ کی شادی کے تقریبا پندرہ سال ہو گئے، اس در میان ہندہ کے پانچ بچے ہوئے اور سب فوت ہو گئے، ایک دن زید نے ہندہ سے کہا: میں ایک اور شادی کرنا چاہتا ہوں تمھارا کیا خیال ہے؟ ہندہ نے کہا: اگر تم قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر یہ کہو کہ میں شادی کرنے کے بعد تم کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دوں گا، تو اجازت ہے۔ زید قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ میں قرآن شریف کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تجھے تکلیف نہیں دوں گا۔ پھر دوسری شادی ہوئی، کچھ دنوں بعد دونوں میں جھگڑا ہوا تو زید نے ہندہ کو طلاق دے دیا۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ اس قسم کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: **محمد کبیر الدین**، مقام: بالیچر، ڈاک خانہ: کونیہ بھیٹہ، اتر دیناج پور، بنگال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجـــــواب: اگر زید نے قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر قرآن کی قسم کھائی تھی تو ہندہ کو تکلیف دینے کی وجہ سے اس کی قسم ٹوٹ گئی اور اس پر کفارہ واجب ہے۔ کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلائے، یا دس مسکینوں کو کپڑا پہنائے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو لگاتار تین روزے رکھے۔ فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

لَوْ قالَ وَقُوَّةِ اللّٰہِ وَإِرَادَتِہِ وَمَشِيئَتِہِ وَمَحَبَّتِہِ وَكَلَامِہِ يَكُونُ حَالِفًا كَذَا فِی الْبَدَائِعِ، [فتاویٰ عالم گیری، ج:۲، ص:۵۳، الباب الثانی فیما یکون یمیناً]

فتح القدیر میں ہے:

وَكَذَا الصِّفَاتُ الَّتِي لَا تَحْتَمِلُ أَنْ تَكُونَ غَيْرَ صِفَاتِہِ كَعِزَّةِ اللّٰہِ وَعَظَمَتِہِ وَجَلَالِہِ وَكِبْرِيَائِہِ وَكَلَامِہِ فَيَنْعَقِدُ بِہَا الْيَمِينُ بِكُلِّ حَالٍ وَلَا حَاجَةَ إلَى عُرْفٍ فِيہِ، [فتح القدیر، ج:۱۰، ص: ۴۰۰، باب مایکون یمیناً ولایکون یمیناً، شاملہ]

بدائع الصنائع میں ہے:

كَذَا لَوْ قَالَ وَقُدْرَةِ اللّٰہِ تَعَالَى وَقُوَّتِہِ وَإِرَادَتِہِ وَمَشِيئَتِہِ وَرِضَاهُ وَمَحَبَّتِہِ وَكَلَامِہِ يَكُونُ حَالِفًا لِأَنَّ هَذِهِ الصِّفَاتِ وَإِنْ كَانَتْ تُسْتَعْمَلُ فِي غَيْرِ الصِّفَةِ كَمَا تُسْتَعْمَلُ فِي الصِّفَةِ لَكِنَّ الصِّفَةَ تَعَيَّنَتْ مُرَادَةً بِدَلَالَةِ الْقَسَمِ إذْ لَا يَجُوزُ الْقَسَمُ بِغَيْرِ اسْمِ اللّٰہِ تَعَالَى وَصِفَاتِہِ فَالظَّاهِرُ إرَادَةُ الصِّفَةِ بِقَرِينَةِ الْقَسَمِ وَكَذَا النَّاسُ يُقْسِمُونَ بِہَا فِي الْمُتَعَارَفِ فَكَانَ الْحَلِفُ بِہَا يَمِينًا، [بدائع الصنائع، ج:۳، ص:۶، شاملہ] واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد ذوالفقار علی الرشیدی المصباحی

خادم: جامعۃ الزہرا، للبنات، ناظر پور، اتر دیناج پور، بنگال

دلال کی اجرت بائع پر ہے یا مشتری پر؟

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید دلال ہے، خالد کو اپنی زمین بیچنا تھا تو اس نے زید سے کہا: میری زمین بیچوادو۔ اس نے کہا: سو روپے میں دو روپے لوں گا، وہ راضی ہو گیا بعدہ زید نے ساجد سے کہا: زمین خریدو گے؟ اس نے کہا: ہاں، تب زید نے کہا: سو میں دو روپے لوں گا وہ بھی راضی ہو گیا، اس زمین کی بیع ایک لاکھ میں ہو گئی اور زید نے دونوں سے دو دو ہزار روپئے لے لیا، اس طریقے سے روپیہ لینا از روئے شرع جائز ہے یا ناجائز قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیں کرم ہو گا؟

المستفتی: عبد الرحمٰن، چورور، راجستھان

الجـــــواب: دلال کی اجرت بائع کے ذمہ ہے جب کہ سامان اس نے مالک کی اجازت سے فروخت کیا ہو اور اگر دلال نے طرفین میں بیع کی کوشش تو کی مگر بیع مالک نے کی۔ تو اس صورت میں وہاں کے عرف کا اعتبار ہو گا۔ یعنی اس صورت میں بھی اگر عرفاً بائع کے ذمہ اجرت ہو تو بائع دے اور مشتری کے ذمہ ہو تو مشتری دے اور دونوں کے ذمہ ہو تو دونوں دیں۔ صورت مسئولہ میں اگر وہاں عرفاً دونوں کے ذمہ اجرت ہوتی ہو تو زید کا دونو سے روپئے لینا جائز ہے شرعا کوئی قباحت نہیں۔

در مختار میں ہے:

أَمَّا الدَّلَّالُ فَإِنْ بَاعَ الْعَيْنَ بِنَفْسِہِ بِإِذْنِ رَبِّہَا فَأُجْرَتُہُ عَلَى الْبَائِعِ وَإِنْ سَعَى بَيْنَہُمَا وَبَاعَ الْمَالِكُ بِنَفْسِہِ يُعْتَبَرُ الْعُرْفُ، [در مختار، ج:۷، ص:۷۱، کتاب البیوع]

ردالمحتار میں ہے:

"قَوْلُهُ : يُعْتَبَرُ الْعُرْفُ ؛ فَتَجِبُ الدَّلَالَةُ عَلَى الْبَائِعِ أَوْ الْمُشْتَرِي أَوْ عَلَيْهِمَا بِحَسَبِ الْعُرْفِ جَامِعُ الْفُصُولَيْنِ." [ردالمحتار، ج:۷، ص: ۷۱، کتاب البیوع، مطلب:فسادالمتضمن] واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد شعیب عالم القادری النعیمی، خادم الافتا: مدرسہ مدینۃ العلوم، چورو، راجستھان

بغیر امامت کیے حکومت بنگال سے تنخواہ لینا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں کہ مغربی بنگال کی حکومت کی جانب سے بنگال کے کچھ ائمۂ مساجد کو بھتا کے نام پر ہر ماہ پچیس سو روپے دیے جاتے ہیں جسے عام لوگ ائمہ کے لیے حکومت کی جانب سے تنخواہ سمجھتے ہیں، جن اماموں کو یہ رقم ملتی ہے انہیں ہر سال ایک فارم بھر کے جمع کرنا ہوتا ہے جس میں یہ تحریر ہوتی ہے کہ میں باحیات ہوں اور فلاں مسجد [مسجد کا نام و پتہ] میں پانچوں وقت نماز پڑھاتا ہوں۔ جس کی تصدیق وہاں کے پردھان کو کرنا پڑتا ہے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ زید حکومت کے نزدیک ایک معین مسجد کا امام ہے اور ہر سال مذکورہ فارم بھر کر جمع کرتا ہے اس طرح ہر ماہ حکومت سے پچیس سو روپے وصول کرتا ہے لیکن مقتدیوں سے اختلاف کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ سے اس مسجد میں امامت نہیں کرتا بلکہ دوسری مسجد میں نماز پڑھاتا ہے اور دوسری مسجد سے بھی اسے تنخواہ ملتی ہے۔ ہمیں معلوم یہ کرنا ہے کہ زید کا اپنے کو ایک معین مسجد کا امام بتا کر حکومت سے رقم لیتے رہنا پھر انہی ایام میں دوسری مسجد میں امامت کر کے تنخواہ لینا از روے شرع درست ہے یا نہیں اور ایسی صورت حال میں ان کی اقتدا میں نماز درست ہے یا نہیں؟

نیز کچھ ائمہ اپنی جگہ پر خود سے کسی دوسرے کو امام مقرر کر دیتے ہیں کیا ایسا کرنا درست ہے؟

المستفتی: محمد شاکر القادری، جامعۃ الزہرا للبنات، ناظر پور، پران نگر، اتر دیناج پور، بنگال، ۷/ ذی قعدہ، ۱۴۴۰ھ

الجــــــواب: شریعت طاہرہ میں کذب و فریب ناجائز و گناہ ہے، فریب دے کر گورنمنٹ سے وظیفہ حاصل کرنا جائز نہیں، جس مسجد میں تسلیم نفس و امامت نہیں اس مسجد میں کس عمل کی اجرت کا حق دار۔ حکومت کو سابق مسجد کا امام بتانا فریب و فراڈ اور کذب بیانی ہے، جس کے سبب وہ امام فاسق معلن ہے اور فاسق کو امام بنانا گناہ، پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ واجب۔ لو قدموا فاسقاً یأثمون ۔کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا۔

اس طرح کے عمل میں آبروے مسلم بھی خطرہ میں ہے، خبر ہونے پر تحقیقات ہوں گی، عزت بھی جائے گی، سزا بھی ہو سکتی ہے، رقم واپس بھی ہو گی، علما برادری بھی بدنام ہو گی، لوگوں کا اعتماد بھی اٹھے گا، قوم میں مطعون ہوں گے، جائز و حلال طریقے سے رزق حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، مولیٰ عزوجل برکت عطا فرمائے گا، عزت بھی ملے گی رزق کا دروازہ وسیع ہو گا، فریب دے کر جتنی رقم حاصل کی گئی حکومت کو واپس کرنا لازم ہے، زید توبہ کرے اور آئندہ اس طرح کے فریب سے بچنے کا پختہ عہد کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد معراج القادری، خادم افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور

۱۲/ ذوقعدہ ۱۴۴۰ھ

بغیر امامت کیے حکومت بنگال سے تنخواہ لینا کیسا ہے؟

کیا مقرر امام از خود دوسرے کو امامت کے لیے منتخب کر سکتا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں کہ مغربی بنگال کی حکومت کی جانب سے بنگال کے کچھ ائمۂ مساجد کو بھتا کے نام پر ہر ماہ پچیس سو روپے دئے جاتے ہیں جسے عام لوگ ائمہ کے لیے حکومت کی جانب سے تنخواہ سمجھتے ہیں، جن اماموں کو یہ رقم ملتی ہے انہیں ہر سال ایک فارم بھر کے جمع کرنا ہوتا ہے جس میں یہ تحریر ہوتی ہے کہ میں باحیات ہوں اور فلاں مسجد [مسجد کا نام و پتہ] میں پانچوں وقت نماز پڑھاتا ہوں۔ جس کی تصدیق وہاں کے پردھان کو کرنا پڑتا ہے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ زید حکومت کے نزدیک ایک معین مسجد کا امام ہے اور ہر سال مذکورہ فارم بھر کر جمع کرتا ہے اس طرح ہر ماہ حکومت سے پچیس سو روپے وصول کرتا ہے لیکن مقتدیوں سے اختلاف کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ سے اس مسجد میں امامت نہیں کرتا بلکہ دوسری مسجد میں نماز پڑھاتا ہے اور دوسری مسجد سے بھی اسے تنخواہ ملتی ہے۔ ہمیں معلوم یہ کرنا ہے کہ زید کا اپنے کو ایک معین مسجد کا امام بتا کر حکومت سے رقم لیتے رہنا پھر انہی ایام میں دوسری مسجد میں امامت کر کے تنخواہ لینا از روئے شرع درست ہے یا نہیں اور ایسی صورت حال میں ان کی اقتدا میں نماز درست ہے یا نہیں؟

نیز کچھ ائمہ اپنی جگہ پر خود سے کسی دوسرے کو امام مقرر کر دیتے ہیں کیا ایسا کرنا درست ہے؟

المستفتی: محمد شاکر القادری، جامعۃ الزہرا للبنات، ناظر پور، پران نگر، اتر دیناج پور، بنگال، ۷/ ذی قعدہ ۱۴۴۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجــــــواب: مغربی بنگال کی حکومت کی طرف سے ائمۂ مساجد کو جو رقم ملتی ہے وہ بھتا ہو یا تنخواہ بہر صورت کچھ شرائط سے مشروط

ہے: مثلاً [۱] وہ امام باحیات ہو۔ [۲] پنج وقتہ اور جمعہ کی نماز پڑھاتا ہو۔ [۳] نام زد مسجد میں ہی اپنے فرائض انجام دیتا ہو۔ واضح رہے کہ یہ شرط اتفاقی نہیں بلکہ اجباری ولازمی ہے، جس کی رعایت ہر امام پر لازم وضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ تفتیشی ٹیم کو نام زد مسجد میں اس امام کے نہ ملنے پر حکومت کی جانب سے اس امام کے خلاف سخت کارروائی ہوتی ہے، جو وہاں کے باشندگان سے مخفی نہیں ہے۔

زید کا نام زد مسجد میں نماز نہ پڑھانا اور فارم میں اسی مسجد میں نماز پڑھانے کی صراحت کرنا حکومت کے ساتھ کھلا فریب ہے نیز قانون شکنی کر کے اپنے کو ذلت کے لیے پیش کرنا بھی ہے جو سخت ناجائز و گناہ ہے۔ کثیر احادیث کریمہ کے اطلاقات وتصریحات اس پر شاہد ہیں۔

صحیح مسلم میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ. أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم قَالَ: مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي"

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو دھوکہ دے وہ مجھ سے نہیں۔ [صحیح مسلم، ج:۱، ص: ٦٩، حدیث: ۲۹۵]

سنن ابن ماجہ میں ہے:

عن حذيفة بن اليمان رضى الله تعالىٰ عنه قال : نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه و سلم المؤمن أن يذل نفسه .

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مومن کو ذلیل ہونے سے منع فرمایا۔ [سنن ابن ماجہ، ج:۲، ص:۲۹۹، کتاب الفتن]

اس لیے صورت مسئولہ میں حکم شرعی یہ ہے کہ زید کو حکومت بنگال کی جانب سے جو رقم ملتی ہے وہ بھتا ہو یا تنخواہ بہر صورت ناجائز و حرام ہے اور چوں کہ اس کام سے کمیٹی کے لوگ، مقتدیان اور گرد و نواح کے کثیر لوگ واقف ہوتے ہیں، اس لیے زید فاسق معلن ہے، اسے امام بنانا گناہ اور اس کی اقتدا میں پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ واجب ہے۔ ہاں! اگر زید توبہ صحیحہ شرعیہ کرلیتا ہے تو بعد توبہ اسے امام بنانے میں حرج نہیں۔

غنیۃ المستملی میں ہے: لو قدموا فاسقاً يأثمون بناءً على ان كراهة تقديمه كراهة تحريم و فى تقديمه تعظيمه و قد وجب الشرع اهانته" [غنیۃ المستملی، ج:۱، ص: ۵۱۳]

در مختار میں ہے: كل صلاة اديت مع كراهة التحريم تجب اعادتها [ج:۲، ص: ۱۴۷، باب صفۃ الصلاۃ]

سنن ابن ماجہ میں ہے: عبد الله عن أبيه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : التائب من الذنب كمن لا ذنب له . والله تعالىٰ اعلم علمه جل مجده اتم واحكم

[۲] مسئلہ یہ ہے کہ جس سے کام کرانا ہے اگر اُس سے یہ شرط کرلی ہے کہ تم کو خود کرنا ہوگا، تو اس صورت میں اسی کو کرنا ضروری ہے کسی دوسرے شخص سے کام کرانا جائز نہیں اور کرادیا تو اُجرت واجب نہیں۔ اگر یہ شرط نہیں ہے تو دوسرے سے بھی کرا سکتا ہے اپنے شاگرد سے کرائے یا نوکر سے کرائے یا دوسرے سے اُجرت پر کرائے سب صورتیں جائز ہیں۔

غور طلب بات یہ ہے کہ بنگال کے ائمۂ مساجد کے لیے حکومت کی جانب سے یہ شرط ہوتی ہے یا نہیں؟ فارم یا کسی دوسری چیز میں اگر اس شرط کی صراحت نہ ہو تب بھی عرف شاہد ہے کہ یہ شرط ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ نام زد مسجد میں مقرر امام کی بجائے کسی دوسرے امام کی موجودگی کافی نہیں سمجھی جاتی ہے، بلکہ امام کی عدم موجودگی مان کر ان کے خلاف کارروائی بھی ہوتی ہے۔ اس وجہ سے صورت مسئولہ میں حکم شرعی یہ ہے کہ اپنی جگہ کسی دوسرے کو از خود امام منتخب کردینا جائز نہیں۔ البتہ اگر یہ دوسرا شخص لائق امامت ہے تو مقتدیوں کی نماز ہو جائے گی۔

در مختار میں ہے: واذا شرط عمله بنفسه بأن يقول له: اعمل بنفسك او بيدك لا يستعمل غيره وان اطلق كان له أى للاجير أن يستأجر غيره"

رد المحتار میں ہے: المعقود عليه العمل من محل معين فلا يقوم غيره مقامه كما اذا كان المعقود عليه المنفعة بأن استأجر رجلا شهراً للخدمة لا يقوم غيره مقامه. [رد المحتار، ج:۹، ص: ۲۲، کتاب الاجارۃ]

بحر الرائق میں ہے:

[وَلَا يُسْتَعْمَلُ غَيْرُهُ أن شَرَطَ عَمَلَهُ بِنَفْسِهِ] لِأَنَّ الْمَعْقُودَ عليه الْعَمَلُ فى مَحَلٍّ بِعَيْنِهِ كَالْمَنْفَعَةِ فى مَحَلٍّ بِعَيْنِهِ [بحر الرائق، ج:۷، ص: ۳۰۳، کتاب الاجارۃ] واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جلّ مجدہ اتم واحکم

کتبہ: محمد عارف حسین القادری المصباحی،

خادم الافتا: بالجامعۃ المخدومیۃ سراج العلوم، جاج مئو، کان پور

۲۳/ ذی قعدہ ۱۴۴۰ھ/ ۲۰۱۹،۷،۲۷

تصدیقات مفتیان کرام:

حضرت مفتی عبد الغفور صاحب، خلیفہ مفتی اعظم ہند
حضرت مفتی محمد آل مصطفیٰ مصباحی، جامعہ امجدیہ، گھوسی
حضرت مفتی محمد ذوالفقار علی رشیدی مصباحی
حضرت مفتی محمد شعیب عالم قادری نعیمی

تحقیق و تفہیم

پہلی قسط

امام ابو بکر بن ابی شیبہ اور فقہ حنفی

مفتی محمد عارف حسین قادری مصباحی: استاذ و مفتی الجامعۃ المخدومیہ سراج العلوم جاج مئو کان پور

حدیث کی جو کتاب فقہی ابواب پر ترتیب دی جاتی ہے اسے اصطلاح محدثین میں "مُصنّف" کہتے ہیں، اس میں مرفوع، متّصل، موقوف، منقطع اور مرسل ہر درجے کی حدیثیں مذکور ہوتی ہیں۔ امام ابو بکر بن ابی شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب "مُصنّف ابن ابی شیبہ" اس نوع میں عدیم النظیر اور بے مثال ہے۔ منشود و مقصود کی گفتگو سے پہلے "مصنف ابن ابی شیبہ" کی کچھ خصوصیات ملاحظہ فرمائیں!

❶ اس کی اکثر مرویات صحاح ستہ میں موجود ہیں، امام محمد بن اسماعیل بخاری نے تیس، امام مسلم نے ۱۵۴۰، احادیث کی تخریج کی ہے، سنن ابی داؤد میں اس مصنف کی احادیث کی کثرت ہے، سنن ابن ماجہ میں سب سے زیادہ اسی سے حدیثیں لی گئی ہیں۔

❷ اس کتاب میں وہی احادیث شامل کی گئی ہیں جن سے کوئی فقہی مسئلہ مستخرج و مستنبط ہوتا ہے۔

❸ امام ابن کثیر نے اس کتاب کے بارے میں یہ صراحت فر مائی ہے کہ اس سے پہلے اور بعد میں [اس نوع میں] ایسی کتاب نہیں لکھی گئی۔

❹ احادیث کریمہ کے ساتھ ساتھ آثار صحابہ و تابعین بھی بکثرت بلکہ ہر باب کے تحت درج ہیں۔

❺ فقہاے امت کے مختلف نظریات و آرا کا بھی اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اس اعتبار سے یہ کتاب حدیث کے موضوع کے ساتھ ساتھ فقہی ابحاث کے حوالے سے بھی ایک عظیم ذخیرہ ہے۔

اس کتاب میں ذکر کردہ احادیث کی مجموعی تعداد ۳۹۰۹۸ / ہے، مکتبہ شاملہ میں یہ کتاب ۱۵ / جلدوں پر تقسیم کی گئی ہے، اس کی چودہویں جلد میں امام ابن ابی شیبہ نے ایک مستقل باب امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رد کے لیے قائم فرمایا ہے، باب کا عنوان ہے: كِتَابُ الرَّدِّ عَلَى أَبِي حَنِيفَةَ۔ اس باب میں ۱۲۵ / مسائل مذکور ہیں، امام ابن ابی شیبہ کا دعویٰ ہے کہ ان مسائل میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احادیث کی مخالفت کی ہے۔

اس کا اجمالی جواب یہ ہے کہ کچھ مسائل تو ایسے ہیں جن میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی متدل بہ حدیث امام ابن ابی شیبہ کی حدیث کی بہ نسبت متعدّد وجوہ سے قوی ہے، کچھ مسائل ایسے ہیں جن میں امام اعظم کی دلیل بھی امام ابن ابی شیبہ کی ذکر کردہ حدیث ہی ہے، مگر فہم حدیث کا فرق ہے، امام اعظم کی دقیق نگاہ حدیث کی جس گہرائی تک پہنچی، امام ابن ابی شیبہ اس مقام دقیق تک نہیں پہنچ سکے، کچھ مسائل ایسے ہیں جن میں امام اعظم کے شرائط کے مطابق حدیث نہ ہونے کی وجہ سے آپ نے آیات کے عموم و اطلاق سے استدلال فر مایا، جب کہ کچھ ایسے بھی مسائل ہیں جن میں امام اعظم کی طرف انتساب مذہب میں امام ابن ابی شیبہ سے خطا ہوئی ہے، وہ نہ تو آپ کا مذہب ہے اور نہ ہی آپ کے اصحاب و تلامذہ کا۔

جن حنفی و شافعی عباقر علما نے اس کا شافی و وافی جواب بھی کتابی شکل میں عطا فرمایا ہے، ان میں یہ اسما بڑی اہمیت کے حامل ہیں:

❶ حافظ محی الدین قرشی حنفی، ان کی کتاب کا نام ہے الدرر المنیفة فی الرد علی ابن ابی شیبة عن ابی حنیفة۔

❷ علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی، نے بھی ایک کتاب لکھی۔ مگر یہ دونوں کتابیں مفقود ہیں۔

❸ علامہ محمد بن یوسف صالحی شافعی نے عقود الجمان فی مناقب ابی حنیفة النعمان میں اختصار و اجمال کے ساتھ ان مسائل کے جواب کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔

❹ علامہ زاہد الکوثری مصری نے بھی اس کا قدرے بسیط جواب لکھا ہے، جس کا نام النکت الطریفة فی التحدث عن ردود ابن ابی شیبة علی ابی حنیفة ہے۔ یہ کتاب گو کہ نایاب نہیں مگر کم یاب ضرور ہے۔ اس وقت یہ کتاب فقیر کے مطالعہ میں ہے جواز حد ممد و معاون ہے۔

فقیر کا منشود یہ ہے کہ اس مقالے میں انہی ایک سو پچیس مسائل

کے حوالے سے امام ابوبکر بن ابی شیبہ کے ریمارک کا شافی ووافی جواب تحریر کردیا جائے تاکہ احناف پر ترک حدیث اور عمل بالقیاس کا جو بے بنیاد اور شنیع الزام ہے اس کا فساد قمر بے کلف کی طرح واشگاف ہوجائے۔ واضح رہے کہ کوئی بھی ماہنامہ یا سہ ماہی رسالہ بیک وقت اس بسیط مضمون کا متحمل نہیں ہے اس لیے ان شاء اللہ الرحمٰن اسے سہ ماہی پیغام مصطفیٰ میں متعدّد قسطوں میں شائع کیا جائے گا۔ مقالے میں مسائل کی وہی ترتیب ملحوظ ہے جسے امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اختیار فرمایا ہے۔

یہودی اور یہودیہ کے لیے رجم کا حکم ہے یا نہیں:

زانی اور زانیہ اگر محصن ہوں تو سنگسار کرنے ورنہ کوڑے مارنے کا حکم ہے، اس پر تمام فقہاے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اتفاق ہے۔ البتہ احصان کے لیے اسلام کی شرط ہے یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت سیدنا امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس بات کے قائل ہیں کہ احصان کے لیے اسلام کی شرط نہیں ہے۔ فقہ شافعی کی معروف کتاب **المجموع شرح المهذب** میں ہے:

ولا يشترط في إحصان الرجم أن يكون مسلما لما روى ابن عمر رضى الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم أتى بيهوديين زنيا فأمر برجمهما.[المجموع شرح المھذب، ج:۲۰، ص:۹]

فقہ حنبلی کی مشہور کتاب **الكافى فى فقه حنبل** میں ہے:

”و لا يشترط الإسلام في الإحصان لما روى ابن عمر: أن النبي صلى الله عليه و سلم أتي بيهوديين زنيا فرجمهما،، [الکافی فقہ حنبل، ج:۴، ص: ۸۴]

امام ابوبکر بن ابی شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نظریہ بھی یہی ہے۔

جب کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک محصن ہونے کی سات ۷ شرطیں ہیں: [۱]آزاد ہونا۔ [۲]عاقل ہونا۔ [۳]بالغ ہونا۔ [۴]مسلمان ہونا۔ [۵]نکاح صحیح ہونا۔ [۶]نکاح صحیح کے ساتھ وطی ہونا۔ [۷]میاں بی بی دونوں کا وقتِ وطی میں صفات مذکورہ کے ساتھ متّصف ہونا۔ لہٰذا اگر باندی سے نکاح کیا ہے یا آزاد عورت نے غلام سے نکاح کیا تو محصن و محصنہ نہیں۔

فقہ حنفی کی جلیل الشان کتاب ” بدائع الصنائع ،، میں ہے:

أَمَّا إِحْصَانُ الرَّجْمِ فَهُوَ عِبَارَةٌ فِي الشَّرْعِ عن اجْتِمَاعِ صِفَاتٍ اعْتَبَرَهَا الشَّرْعُ لِوُجُوبِ الرَّجْمِ وَهِيَ سَبْعَةٌ الْعَقْلُ وَالْبُلُوغُ وَالْحُرِّيَّةُ وَالْإِسْلَامُ وَالنِّكَاحُ الصَّحِيحُ وَكَوْنُ الزَّوْجَيْنِ جميعا على هذه الصِّفَاتِ وهو أَنْ يَكُونَا جميعا عَاقِلَيْنِ بَالِغَيْنِ حُرَّيْنِ مُسْلِمَيْنِ فَوُجُودُ هذه الصِّفَاتِ جميعا فِيهِمَا شَرْطٌ لِكَوْنِ كل وَاحِدٍ مِنْهُمَا مُحْصَنًا وَالدُّخُولُ في النِّكَاحِ الصَّحِيحِ بَعْدَ سَائِرِ الشَّرَائِطِ مُتَأَخِّرًا عنها، [بدائع الصنائع، ج:۷، ص: ۳۷]

وَشرط أبو حنيفَة الْإِسْلَام فِي الْإِحْصَان لقَوْله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم: من أشرك بِاللَّه فَلَيْسَ بمحصن. رَوَاهُ إِسْحَاق بن رَاهَوَيْهِ فِي [مُسْنده] من حَدِيث نَافِع عَن ابْن عمر عَن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم: من أشرك بِاللَّه فَلَيْسَ بمحصن. [عمدۃ القاری، ج: ۲۰، ص: ۲۵۸، باب الطلاق فی الاغلاق والاکراہ والسکران]

امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی احصان کے لیے اسلام کی شرط کے قائل ہیں۔ فقہ مالکی کی معروف کتاب التاج والاکلیل میں ہے:

شرط موجب الحد الإسلام...... وقال مالك لا يحد الكافر في الزنا ويرد إلى أهل دينه ويعاقب إذا أعلنه،، [التاج والاکلیل، ج:۶، ص: ۲۹۴، شاملہ]

اب اس تناظر میں یہ واشگاف ہوگیا کہ یہودی اور یہودیہ شادی شدہ ہوں اور وہ زنا کرلیں تو ان کے لیے امام ابوبکر بن ابی شیبہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک رجم کا حکم ہو گا، لیکن امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مذہب مختار کے مطابق صرف جلد یعنی کوڑے مارنے کا حکم ہے، وجہ یہ ہے کہ یہودی اور یہودیہ اگرچہ شادی شدہ ہوں مگر چوں کہ مسلم نہیں ہیں اس لیے محصن بھی نہیں۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی ” مصنف،، میں اپنے موقف کی تشیید و تائید کے لیے متعدّد احادیث نقل فرمائی ہیں اور اشارۃً و کنایۃً امام اعظم کے مذہب مہذب پر ریمارک بھی کیا ہے، جب کہ امام اعظم کا مذہب بھی عاری از دلیل نہیں بلکہ بہت ساری صحیح اور حسن احادیث پر اس کی بنا ہے۔ اب ذیل میں دونوں مذہب کے دلائل اور ان دلائل کا تجزیہ معتبر کتب و اسفار کی روشنی میں ملاحظہ کریں!

امام ابوبکر بن ابی شیبہ کی متدل بہ احادیث:

حَدَّثَنَا شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ ؛ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم رَجَمَ يَهُودِيًّا وَيَهُودِيَّةً. ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک یہودی اور یہودیہ کے لیے رجم کا فیصلہ فرمایا۔ [ذیل کی احادیث کا بھی ترجمہ

تقریباً یہی ہے، اس لیے نیچے ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے]

حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، وَوَكِيعٌ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُرَّةَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ ؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم رَجَمَ يَهُودِيًّا.

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ مُجَالِدٍ، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ؛ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم رَجَمَ يَهُودِيًّا وَيَهُودِيَّةً.

حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؛ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم رَجَمَ يَهُودِيَّيْنِ، أَنَا فِيمَنْ رَجَمَهُمَا.

حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مُغِيرَةَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ ؛ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم رَجَمَ يَهُودِيًّا وَيَهُودِيَّةً.

مذہب حنفی کی مستدل بہ احادیث:

حدثنا دعلج نا ابن شيرويه نا إسحاق نا عبد العزيز بن محمد عن عبيد الله عن نافع عن بن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من أشرك بالله فليس بمحصن۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مشرک محصن نہیں۔ [سنن دار قطنی، ج:۳، ص:۱۴۷، حدیث:۱۹۹]

اس حدیث پاک کی روایت اسحاق کے علاوہ عفیف بن سالم نے بھی مرفوعاً کی ہے، جیساکہ السنن الکبریٰ، ج:۸، ص:۲۱۶، پر اس کی صراحت ہے۔

حدثنا أبو عبد الله أحمد بن الحسين بن محمد بن أحمد بن الجنيد وعبد الله بن الهيثم بن خالد الطيبي قالا نا الحسين بن عرفة نا عيسى بن يونس عن أبي بكر بن عبد الله بن أبي مريم عن علي بن أبي طلحة عن كعب بن مالك: أنه أراد أن يتزوج يهودية أو نصرانية فسأل النبي صلى الله عليه وسلم عن ذلك فنهاه عنها وقال إنها لا تحصنك۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک یہودیہ یا نصرانیہ سے شادی کرنے کا ارادہ کیا تو انہوں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس بارے میں استفسار کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تیرے لیے محصنہ نہیں۔ [سنن دار قطنی، ج:۳، ص:۱۴۸، حدیث:۲۰۱]

امام ابو بکر بن ابی شیبہ کی مستدل بہ احادیث متعدّد وجوہ سے مرجوح ہیں:

پہلی حدیث کی سند میں شریک اور سماک ہیں، ارباب جرح و تعدیل اور ائمہ ثقاة نے ان دونوں کی تضعیف کی ہے۔ امام یحییٰ بن سعید قطان اور امام ابن المبارک نے شریک کی حدیث کو ساقط الاعتبار قرار دیا، امام ترمذی نے انہیں کثیر الغلط کہا، امام دارقطنی نے فرمایا: ليس بالقوي، اور امام ابن حجر عسقلانی نے ان سے متعلق ائمۂ جرح و تعدیل کے مختلف آرا و نظریات یک جا کرنے کے بعد قول فیصل یہ تحریر فرمایا: کہ یہ صدوق تو ہیں مگر ان سے غلطیاں کثرت سے ہوتی ہیں۔ طمانیت قلب اور تسکین خاطر کے لیے ذیل کے شواہد ملاحظہ فرمائیں!

وقال النسائي :"ليس به بأس" وقد تكلم فيه :فقال الترمذي: "كثير الغلط والوهم"، وقال الدار قطني:"ليس بالقوي". وجمع ابن حجر بين الأقوال السابقة: "صدوق يخطيء كثيرًا".

شريك بن عبد الله القَاضِي،وَهُوَ مَعْرُوف بتدليس الْمُنْكَرَات عَن الثِّقَات،وَقد أسقط حَدِيثه الإمامان يَحْيَى بن سعيد الْقطَّان وَابْن الْمُبَارك۔ [البدر المنیر فی تخریج الاحادیث والآثار، ج:۲، ص:۵۹۷، شاملہ]

وَشَرِيكٌ مِمَّنْ لَا يُحْتَجُّ بِهِ، فِيمَا يُخَالِفُ فِيهِ أَهْلَ الْحِفْظِ وَالثِّقَةِ، لِمَا ظَهَرَ مِنْ سُوءِ حِفْظِهِ۔ [نصب الرایہ، ج:۳، ص: ۳۵۶، شاملہ]

شريك القاضي سيء الحفظ [جامع الاصول، ج:۳، س:۵۴۸]

وهذا الحديث لا نعلم أحدا رواه عن سماك إلا شريك،، [البحر الزخار، ج:۱۰، ص:۵۸، ما اسند جابر بن سمرہ]

سماك ثقة عند قوم مضعف عند آخرين كان ابن المبارك يقول سماك بن حرب ضعيف الحديث وكان مذهب علي فيه نحو هذا۔

سماک گوکہ کچھ محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں مگر بہت سارے اصحاب جرح و تعدیل نے انہیں ضعیف بھی کہا، امام ابن المبارک نے فرمایا: وہ ضعیف الحدیث ہے، امام علی بن المدینی کی بھی رائے یہی ہے۔ [التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید، ج:۱۶، ص:۱۴۰، الحدیث السابع والستون]

حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث میں ایک راوی مجالد ہیں، محدثین نے ان پر سخت کلام کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا: مجالد ضعیف ہے، ابن حبان نے کہا: یہ سندوں میں قلب کرتے رہتے ہیں

اور مرسل احادیث کو مرفوع بنادیتے ہیں، ان سے استدلال کرنا روا نہیں، امام نووی نے ان کے ضعیف ہونے پر ائمۂ جرح و تعدیل کے اتفاق کا دعویٰ کیا ہے، امام بیہقی، امام نسائی، امام دارقطنی اور امام ترمذی نے بھی ان کو ضعیف لکھا ہے۔ شہادتیں یہ ہیں:

وَفِي إِسْنَادِه مجالد، وَفِيه مقَال [البدر المنیر فی تخریج الاحادیث والآثار، ج:۲، ص:۳۴]

فِيهِ مجَالد وَهُوَ لين. [البدر المنیر ج:۴، ص:۶۱۵]

[ومجالد] غير مُحْتَج بِهِ [البدر المنیر ج:۸، ص:۵۱۶]

قَال الْبَيْهَقِيّ: مجَالد لَيْسَ بِشَيْء. وَقَالَ يَحْيَى مرّة وَالنَّسَائِيّ وَالدَّارَقُطْنِيّ: ضَعِيف. وَقَالَ يَحْيَى مرّة: لَا يحْتَج بحَدِيثه. وَقَالَ مرّة: صَالح. وَقَالَ ابْن حبَان: يقلب الْأَسَانِيد فيرفع الْمَرَاسِيل لَا يجوز الِاحْتِجَاج بِهِ. [البدر المنیر ج:۹، ص:۲۵۵]

وَادَّعَى النَّوَوِيّ فِي «شرح الْمُهَذّب» الِاتِّفَاق عَلَى ضعفه۔ [البدر المنیر ج:۹، ص:۳۹۱]

قال احمد بن حنبل: مجالد ليس بشيء وقال يحيى لا يحتج بحديثه [العلل المتناهیہ، ج:۱، ص:۴۶۳]

قَالَ التِّرْمِذِيُّ: هَذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إسْنَادُهُ بِقَائِمٍ، فَإِنَّ مُجَالِدَ بْنَ سَعِيدٍ قَدْ ضَعَّفَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ: مِنْهُمْ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ۔ [نصب الرایۃ لتخریج احادیث الھدایۃ، ج:۳، ص:۲۳۹]

امام بدر الدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام ابوبکر بن ابی شیبہ کی مستدل بہ احادیث کا یہ جواب تحریر فرمایا:

قُلْنَا: كَانَ ذَلِك بِحكم التَّوْرَاة قبل نزُول آيَة الْجلد فِي أول مَا دخل صلى الله عَلَيْهِ وَسلم الْمَدِينَة فَصَارَ مَنْسُوخا بهَا، ثمَّ نسخ الْجلد فِي حق الزَّانِي الْمُحصن.

جب حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے، اسی وقت کا یہ معاملہ ہے کہ ایک یہودی اور یہودیہ سے زنا کا صدور ہوا، اس وقت چوں کہ آیت جلد [کوڑے مارنے سے متعلق آیت] نازل نہیں ہوئی تھی اس لیے مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے توریت شریف کے مطابق حکم رجم صادر فرمایا پھر آیت جلد کے ذریعہ زانی محصن کے حق میں جلد کا حکم منسوخ ہوا اور غیر محصن کے لیے حکم جلد ہی باقی رہا۔ [عمدۃ القاری، ج:۲۰، ص:۲۵۸، باب الطلاق فی الاغلاق والاکراہ والسکران]

نخب الافکار میں ہے:

قال الجصاص ما ملخصه: إن كون حد الزانيين في أول الإسلام الحبس والأذى و كون المحصن وغير المحصن فيه سواء، دليل على أنه -عليه السلام- رجم اليهوديين بحكم مبتدأ و أنه لما رجمها لم يكن من شرط الرجم الإحصان فلذلك رجمهما، فلما شُرِطَ الإحصان فيه، وقال -عليه السلام-: "من أشرك بالله فليس بمحصن" صار حدهما الجلد۔

ترجمہ: ابتداے اسلام میں زانیوں کی سزا قید و بند اور ضرب قرار پانے، اس میں محصن اور غیر محصن کے لیے یکساں حکم ہونے میں اس بات پر واضح دلیل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہودیوں کے سنگسار کیے جانے کا فیصلہ ایک ابتدائی حکم کی بنا پر کیا تھا [جو توریت میں مصرح تھا] پھر یہ کہ جب رجم کا حکم دیا گیا تھا اس وقت احصان کی شرط نہیں تھی، جب رجم کے لیے احصان کی شرط لگی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مشرک محصن نہیں، تو یہودیوں کی سزا جلد [کوڑنے مارنا] مقرر ہوگئی۔ [نخب الأفکار في تنقیح مباني الأخبار في شرح معاني الآثا، ج:۱۴، ص: ۴۲۶،۴۲۵]

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مستدل بہ حدیث بہ چند وجوہ قوی ہے:

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ کی مستدل بہ پہلی حدیث کی سند میں اسحاق اور عفیف ہیں اور دونوں نے اس کی مرفوعًا روایت کی ہے، امام ابن معین اور ابو حاتم نے کہا: اسحاق حجت و حافظ اور عفیف ثقہ ہیں، ایسا ہی حضرت امام ابن قطان نے فرمایا، علامہ ذہبی نے لکھا: مشہور محدث اور صالح الحدیث ہیں۔

جوہر النقی میں ہے:

اسحاق حجة حافظ وعفيف ثقة قاله ابن معين وأبو حاتم ذكره ابن القطان وقال صاحب الميزان محدث مشهور صالح الحديث - [الجوھر النقی الابن الترکمانی، ج:۸، ص:۲۱۶]

قال ابن القطان فِي "كِتَابِهِ": وَعَفِيفُ بْنُ سَالِمٍ الْمَوْصِلِيُّ ثِقَةٌ، قَالَهُ ابْنُ مَعِينٍ، وَأَبُو حَاتِمٍ، وَإِذَا رَفَعَهُ الثِّقَةُ لَمْ يَضُرَّهُ وَقْفُ مَنْ وَقَفَهُ، یعنی: ابن قطان نے اپنی کتاب میں یہ صراحت کی ہے کہ ابن معین اور ابو حاتم نے عفیف بن سالم موصلی کو ثقہ قرار دیا ہے۔ [نصب الرایۃ، ج:۳، ص:۳۲۷]

دوسری مستدل بہ حدیث کی سند میں ایک راوی ابن ابی مریم ہیں،

جسے کچھ محدثین نے ضعیف کہاہے، اور علی بن ابی طلحہ کے بارے میں لکھا کہ ان کو کعب کا زمانہ نہیں ملا۔ واضح رہے کہ اس کی روایت بقیہ بن ولید نے بھی کی ہے اور وہ حدیث منقطع ہے، راویوں کی عدالت کے ثبوت کے بعد منقطع بھی حدیث مرسل میں داخل و شامل مانی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے یہ حدیث بھی لائق احتجاج اور قابل استدلال ہوگی۔ فتح القدیر میں ہے:

وَضُعِّفَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ، وَعَلِيُّ بْنُ أَبِي طَلْحَةَ لَمْ يُدْرِكْ كَعْبًا، لَكِنْ رَوَاهُ بَقِيَّةُ بْنُ الْوَلِيدِ عَنْ عُتْبَةَ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَهُوَ مُنْقَطِعٌ. وَأَنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ الِانْقِطَاعَ عِنْدَنَا دَاخِلٌ فِي الْإِرْسَالِ بَعْدَ عَدَالَةِ الرُّوَاةِ، [فتح القدیر، ج:۱۱، ص: ۳۸۷، کتاب الحدود]

بقیہ بن ولید یہ وہ جلیل القدر راوی حدیث ہیں جن سے حماد بن زید، حماد بن سلمہ، ابن المبارک، یزید بن ہارون، ابن عیینہ، وکیع بن الجراح، اوزاعی، اسحاق بن راہویہ اور شعبہ جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث نے روایت حدیث کی ہے۔ امام یحییٰ نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ بقیہ جب بغداد پہنچتے تو امام شعبہ ان کی حد درجہ تعظیم و توقیر کرتے۔

فتح القدیر میں ہے:

بَقِيَّةَ هَذَا هُوَ ابْنُ الْوَلِيدِ رَوَى عَنْهُ الْأَئِمَّةُ مِثْلُ الْحَمَّادَيْنِ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَيَزِيدَ بْنِ هَارُونَ وَابْنِ عُيَيْنَةَ وَوَكِيعٍ وَالْأَوْزَاعِيِّ وَإِسْحَاقَ بْنِ رَاهَوَيْهِ وَشُعْبَةَ، وَنَاهِيكَ بِشُعْبَةَ وَاحْتِيَاطِهِ. قَالَ يَحْيَى: كَانَ شُعْبَةُ مُبَجِّلًا لِبَقِيَّةَ حِينَ قَدِمَ بَغْدَادَ، [فتح القدیر، ج:۱، ص: ۱۴۷، باب المائ الذی یجوز بہ الوضو]

بر سبیل تنزل اگر اس حدیث کا ضعف ثابت بھی ہو جائے تب بھی وہ قادح و مضر نہیں کیوں کہ اس کی متعدّد سندیں ہیں، اور تعدد اسناد سے حدیث مرتبہ ضعف سے ترقی کر کے درجہ حسن تک پہنچ جاتی ہے۔

فتح القدیر میں ہے:

وَأَيْضًا تَعَدُّدُ طُرُقِ الْحَدِيثِ الضَّعِيفِ يَرْفَعُهُ إِلَى الْحَسَنِ [فتح القدیر، ج:۷، ص:۵۳، فصل فی الکفائۃ]

علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے فرمایا:

تعدد الطرق يبلغ الحديث الضعيف الى الحسن۔ [مرقاۃ المفاتیح، ج:۳، ص:۱۸، باب مالا یجوز من العمل]

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

قد احتج جمهور المحدثين بالحديث الضعيف اذا كثرت طرقه والحقوه بالصحيح تارةً و بالحسن اخرىٰ [میزان الشریعۃ الکبریٰ، ج:۱، ص: ۶۸، فصل ثالث]

درج ذیل وجوہ سے بھی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مستدل بہ حدیث راجح و معمول بہ ہونا چاہئے:

[۱] امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مستدل بہ احادیث قولی ہیں جب امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے ایسی حدیثوں سے استدلال کیا ہے جن میں فعل کا ذکر ہے، اور یہ مسلمات میں سے ہے کہ قولی حدیث کو فعلی حدیث پر ترجیح حاصل ہے۔ جیساکہ ذیل کی تصریحات اس پر شاہد عدل ہیں۔

القول مقدم على الفعل [التنویر شرح جامع صغیر، ج:۳، ص: ۴۸۷، شاملہ / فتاویٰ حدیثیہ، ج:۱، ص:۱۱/ بحر الرائق، ج:۱ص: ۳۳۴/ تبیین الحقائق، ج:۱، ص:۸۰]

وَالدَّلِيلُ الْقَوْلِيُّ مُقَدَّمٌ عِنْدَنَا عَلَى الْفِعْلِيِّ [رد المحتار، ج:۸، ص:۱۸۵، مطلب فی المواقیت]

والدليل القولى أقوى من العملى عند التعارض كما هو مقرر فى الأصول [مرقاۃ المفاتیح، ج:۴، ص: ۱۰۱]

[۲] امام ابوبکر بن ابی شیبہ کی احادیث میں ایک واقعہ کا ذکر ہے، واقعہ اور حکایت حال میں چوں کہ عموم نہیں ہوتا، اس لیے دوسرے مواقع پر اس سے استدلال و احتجاج درست نہیں۔ متعدّد علما و فقہا و محدثین نے اس ضابطہ کی تصریح کی ہے۔

واقعة عين وحكاية حال لا يصح دعوى العموم فيها. [شرح الزرقانی، ج:۳، ص:۴۳۳/ عون المعبود، ج:۹، ص:۲۸۷]

واقعة عين لا عموم فيها۔ [عمدۃ القاری، ج:۱۲، ص: ۴۹۱]

واقعة عين ولا عموم فى الأفعال۔ [فتح الباری، ج:۹، ص: ۵۰۹]

واقعة عين لا عموم فيها۔ [ذخیرۃ العقبیٰ، ج:۱۶، ص: ۱۹۴]

[۳] کثیر احادیث کریمہ میں شبہات کی بنا پر سقوط حدود اور عمل بالاحتیاط کا حکم دیا گیا ہے، چوں کہ باب حد میں احصان کے لیے شرط اسلام میں ہی احتیاط ہے، اس لیے انہی احادیث پر عمل زیادہ بہتر ہوگا۔

فتح القدیر میں ہے:

فِيهِ وَجْهٌ آخَرُ وَهُوَ أَنَّ تَقْدِيمَ هَذَا الْقَوْلِ يُوجِبُ دَرْءَ الْحَدِّ وَتَقْدِيمَ ذَلِكَ الْفِعْلِ يُوجِبُ الِاحْتِيَاطَ فِي إيجَابِ الْحَدِّ، وَالْأَوْلَى فِي الْحُدُودِ تَرْجِيحُ الدَّافِعِ عِنْدَ التَّعَارُضِ، ترجمہ: [فتح القدیر، ج:۱۱، ص: ۳۸۶، کتاب الحدود، فصل فی کیفیۃ الحد واقامتہ]

قومی ترانے کی شرعی حیثیت

ایک سلگتے ہوئے مسئلے پر دیدہ ور عالم دین کا فقہی نقطۂ نظر

مولانا مجاھد حسین رضوی مصباحی: استاذ دارالعلوم غریب نواز الہ آباد یوپی

ھندوستان کا قومی ترانہ "جن گن من الخ" کا شاعر آں جہانی ربندر ناتھ ٹیگور ہے۔ یہ ترانہ پہلی بار ۲۷ دسمبر ۱۹۱۱ء کو کلکتہ میں منعقد انڈین نیشنل کانگریس کے ایک اجلاس میں پڑھا گیا اور ۲۴ جنوری ۱۹۵۰ء کو حکومت ہند نے اسے قومی ترانے کی حیثیت دے دی۔ تب سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کو وصال فرمائے ہوئے ۲۹ سال کا طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ ظاہر ہے اِس تعلق سے آپ کے کسی فتوے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ سرکار اعلیٰ حضرت کے بعد ہماری جماعت میں جو صف اول کے اکابر ہوئے ان کا بھی کوئی فتویٰ ناچیز کی نظر سے نہیں گزرا جب کہ اس نظم کے قومی ترانہ قرار دیے جانے کے بعد بھی، سرکار مفتی اعظم ہند، حضور برہان ملت، حضور مجاہد ملت، حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہم جیسی دینی وروحانی بصیرت سے مالا مال جلیل القدر شخصیتیں ہمارے درمیان موجود رہیں۔ صف اول کے اِن اکابر علما و مفتیان کرام کے بعد بھی سوائے شارح بخاری مفتی شریف الحق صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کے کسی مفتی کا کوئی مطبوعہ فتویٰ اس تعلق سے دیکھنے کو نہیں ملا۔ موصوف نے اسے ناجائز قرار دیا ہے مگر اس فتوے میں کوئی تشفی بخش تفصیل نہیں ہے۔ ہاں ۱۵ اگست ۲۰۱۷ء تک نٹ پر مفتی محمد ایوب خان صاحب نعیمی جامعہ نعیمیہ مرادآباد، مفتی سید کفیل اشرف صاحب دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف اور مفتی عبدالقیوم ہزاروی صاحب پاکستانی کے فتوے، اس کے جواز پر دستیاب تھے، لیکن اب صرف آخر الذکر مفتی صاحب ہی کا فتوی دستیاب ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ربندر ناتھ ٹیگور نے "جن گن من" والا ترانہ کنگ جارج پنجم کی شان میں لکھا تھا؟ مگر یہ بات صحیح نہیں ہے، کلکتہ میں ۲۷ دسمبر ۱۹۱۱ء کو جب انڈین نیشنل کانگریس کا اجلاس ہوا تب کنگ جارج پنجم ہندوستان کے دورے پر تھا، اس مناسبت سے اجلاس میں کنگ جارج پنجم کو استقبالیہ دینے کی تجویز بھی منظور ہوئی۔ اور اس کی شان میں ایک نظم پڑھی گئی وہ نظم کون سی تھی؟ ۲۸ دسمبر ۱۹۱۱ء کے اخبارات میں شائع اس اجلاس کی خبریں اس سلسلے میں باہم متضاد ہیں۔ برطانیہ کے اخبار "اسٹیٹس مین" نے لکھا کہ:

"The Bengali poet Rabindranath Tagore sang a song composed by him specially to welcome the Emperor."
{Statesman, Dec. 28, 1911}

{ترجمہ} بنگالی شاعر ربندر ناتھ ٹیگور نے بادشاہ کو خوش آمدید کہنے کے لیے خصوصی طور پر لکھا گیا اپنا ایک گیت گایا۔ ایک دوسرے اخبار "انگلش مین" نے لکھا کہ:-

"The proceedings began with the singing by Rabindranath Tagore of a song specially composed by him in honour of the Emperor."
{Englishman, Dec. 28, 1911}

{ترجمہ} کاروائی ربندر ناتھ ٹیگور کے ایک گیت سے شروع ہوئی جو خود انہوں نے بادشاہ کے اعزاز میں خصوصی طور پر لکھا تھا۔

اس کے بر خلاف ہندوستانی اخبارات کی خبریں کچھ اس طرح کی تھیں "امرتا بازار پتریکا" میں یہ خبر چھپی کہ:-

"कांग्रेस पार्टी के अधिवेशन की शुरुआत ईश्वर की प्रशंसा में गाए गए एक बंगाली मंगलगान से हुई। इसके बाद किंग जॉर्ज पंचम के प्रति निष्ठा जताते हुए एक प्रस्ताव पारित किया गया। बाद में उनका स्वागत करते हुए एक गाना गाया गया।"

{ترجمہ} کانگریس پارٹی کے اجلاس کی شروعات ایشور کی

تعریف میں گائے گئے ایک بنگالی نغمۂ سرور سے ہوئی اس کے بعد کنگ جارج پنجم پر بھروسہ جتاتے ہوئے ایک تجویز پاس کی گئی بعد میں ان کے استقبال میں ایک گانا گایا گیا۔

یہ گانا کون سا تھا بعض اخبارات میں یہ رپورٹ چھپی کہ وہ گانا رام بھوج چودھری کا لکھا ہوا تھا جس کی شروعات "بادشاہ ہمارا" سے ہوتی ہے ایک دوسرے اخبار "The Bengalee" نے لکھا کہ :-

"कांग्रेस का वार्षिक अधिवेशन महान बंगाली कवि रवींद्रनाथ टैगोर के लिखे एक गीत से प्रारंभ हुआ। उसके बाद किंग जॉर्ज पंचम के प्रति निष्ठा व्यक्त करते हुए एक प्रस्ताव पारित हुआ।"

{ترجمہ} کانگرس کا سالانہ جلسہ، بڑے بنگالی شاعر ربندر ناتھ ٹیگور کے لکھے ایک گیت سے شروع ہوا اس کے بعد کنگ جارج پنجم سے متعلق اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے ایک تجویز پاس ہوئی۔

آخر یہ متضاد رپورٹنگ ہوئی کیسے ؟ ممکن ہے مذکور کانگریسی اجلاس میں دونوں ہی نظمیں پڑھی گئیں ہوں ایک نظم اجلاس کی شروعات میں اور دوسری نظم کنگ جارج پنجم کے استقبال میں اور جو نظم اجلاس کی شروعات میں پڑھی گئی وہ ربندر ناتھ ٹیگور کی لکھی ہوئی بنگلہ زبان والی ہو جس کا آغاز "جن گن من" سے ہوتا ہے اور جو نظم کنگ جارج پنجم کے استقبال میں پڑھی گئی وہ نظم ہندی میں رام بھوج چودھری کی لکھی ہوئی ہو جس کا آغاز "وہ ہمارا بادشاہ" سے ہوتا ہے۔

ایسی صورت میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ربندر ناتھ ٹیگور نے "جن گن من والا ترانہ کنگ جارج پنجم کی شان میں لکھا تھا؟ اور یہ قطعاً مدح ناری {کنگ جارج پنجم} ہے؟ جیسا کہ کچھ لوگ اِسے "مدحِ ناری" اِس وثوق سے کہہ رہے ہیں جیسے اُن کے پاس اِس کے شرعی شواہد موجود ہوں۔

پھر یہ بات کیا معمولی عقل رکھنے والے آدمی کے ذہن میں بھی آسکتی ہے کہ جس برٹش سامراج کے غاصبانہ تسلط سے ہندوستان کو آزاد کرانے کے لیے ساکنان ہند نے سر دھڑ کی بازی لگائی تھی اور بے حساب جانی و مالی قربانیوں کے بعد اسے آزاد کرایا تھا آزادی کے بعد انہیں غاصبین کے ایک فرد کی شان میں پڑھے گئے قصیدے کو اپنے عزیز ملک کا قومی ترانہ بنا دیں گے ؟ کیا ملک کی آزادی سے ۳۶ سال پہلے ۱۹۱۱ء میں انگریزوں کا فقط ایک مداح تھا، ربندر ناتھ ٹیگور اور آزادی کے بعد ۱۹۵۰ء میں انڈین پارلیامنٹ کی اکثریت انگریزوں کی مداح بن گئی تھی؟ آپ شروع سے لے کر آخیر تک قومی ترانے کا ایک ایک لفظ پڑھیے اور بتائیے کہ اس میں کنگ جارج پنجم کہاں ہے ؟

لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ ترانہ جارج پنجم کی شان میں لکھا گیا ہے مگر خود اس کے شاعر کا کہنا ہے کہ نہیں میں نے یہ نظم کسی جارج کی شان میں نہیں لکھی۔ ٹیگور کی جیونی یعنی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ :-

{1}रवींद्रनाथ के इस गीत पर जब विवाद उठा तो उन्होंने 10 नवंबर1937 को पुलिन बिहारी सेन को लिखे एक पत्र में यह सफ़ाई दी 'महामहिम के कार्यालय में काम करनेवाले एक उच्चाधिकारी ने जो मेरा भी मित्र था,मुझसे आग्रह किया कि मैं सम्राट के स्वागत में एक गीत लिखूं। मैं इस अनुरोध से चकित था। इसने मेरे हृदय में एक बहुत बड़ी हलचल-सी मचा दी। उस प्रवं□ मानसिक उथल-पुथल के परिणामस्वरूप 'जन-गण-मन' का जन्म हुआ जिसमें मैंने भारत के उस भाग्यविधाता का जयगान किया जिसने उत्थान और पतन के हर दौर में, कभी सीधे और कभी टेढ़े-मेढ़े रास्तों से चलते हुए युगों-युगों से भारतीय रथ की कमान थाम रखी है। वह भाग्यविधाता,समस्त भारत के मन को पढ़ने वाला, वह चिरंतन पथ प्रदर्शक कभी भी जॉर्ज पंचम, जॉर्ज षष्ठम या और कोई जॉर्ज नहीं हो सकता था। मेरे उस सरकारी मित्र को भी इस गीत का मर्म समझ में आ गया था। आखिरकार सम्राट के प्रति अत्यधिक प्रशंसाभाव रखने के बावजूद उसमें सामान्य बुद्धि की कोई कमी नहीं थी।

{ترجمہ} ربندر ناتھ ٹیگور کے اس گیت کی جب مخالفت ہوئی

تو انھوں نے ۱۰ نومبر ۱۹۳ء کو پولین بہاری سین کے نام تحریر کردہ ایک مکتوب میں یہ صفائی پیش کی کہ گورنر کی آفس میں کام کرنے والے ایک اعلی افسر اور میرے دوست نے مجھ سے درخواست کی کہ میں کنگ جارج پنجم کے استقبالیہ کے لیے ایک گیت لکھ دوں۔ میں ان کے اس التماس سے حیرت زدہ ہو گیا اور ان کے اس التماس نے میرے دل میں ایک ہلچل مچادی، اسی شدید ذہنی اتھل پتھل کے نتیجے میں "جن گن من" کا وجود ہوا جس گیت میں، میں نے بھارت کے اس تقدیر ساز کی تعریف کی ہے جس نے عروج وزوال کے ہر دور میں کبھی سیدھے اور کبھی ٹیڑھے میڑھے راستوں سے چلتے ہوئے ہمیشہ سے ہندوستانی رتھ کی کمان سنبھال رکھی ہے وہ تقدیر ساز، بھارت کے من کو پڑھنے والا، وہ قدیم ہادی ور ہنما، کبھی بھی جارج پنجم یا ہشتم یا کوئی اور جارج نہیں ہوسکتا۔ میرے اس سرکاری دوست کو بھی اس گیت کا راز سمجھ میں آگیا تھا کیوں کہ جارج پنجم سے متعلق مدح وستائش کا بے حد جذبہ رکھنے کے باوجود میرے دوست کے اندر عام سمجھ بوجھ کی کوئی کمی نہیں تھی۔

{2}19 मार्च 1939 में टैगोर ने एक और पत्र में लिखा – 'मैं इसे अपना अपमान समझता हूं यदि मुझे उन लोगों के आरोपों का जवाब देना पड़े जो यह समझते हैं कि इस क़िस्म की अपार मूर्खता कर सकता हूं कि जॉर्ज चतुर्थ या पंचम की प्रशंसा में उन्हें मानव इतिहास के प्रारंभ काल से लेकर आज तक असंख्य यात्रियों का पथ प्रदर्शन करनेवाला सारथि बताऊं।

{ترجمہ}۱۹ مارچ ۱۹۳۹ء میں ٹیگور نے ایک اور خط میں لکھا "میں اسے اپنی توہین سمجھتا ہوں اگر مجھے ان لوگوں کے الزامات کا جواب دینا پڑے جو یہ سمجھتے ہیں کہ میں اس قسم کی انتہائی حماقت کر سکتا ہوں کہ جارج چہارم یا پنجم کی تعریف میں انھیں انسانی تاریخ کے زمانۂ آغاز سے لے کر آج تک ان گنت مسافروں کا رہنما اور ان کا قائد مان لوں"

دراصل ہندو دھرم کے پیروکار بنیادی طور پر دو فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں، سناتن دھرمی اور آریہ سماجی، پہلا فرقہ مورتی یا بعض مادی چیزوں کی پوجا کا کٹر حمایتی ہے، جب کہ دوسرا فرقہ اس کا کٹر مخالف ہے، ہندو دھرم کا یہ دوسرا فرقہ فقط ایک ایسی غیر مرئی ذات کو پوجا کا حق دار مانتا ہے جو "سروشکتی مان" یعنی سب سے زیادہ قوت والا ہے "سمپورن سنسار کا سوامی اور اس کا رچیتا" یعنی ساری کائنات کا خالق ومالک ہے اس کا کوئی جسم نہیں، اس کی کوئی شکل وصورت نہیں، وہ بغیر آنکھ کے دیکھتا ہے، بغیر کان کے سنتا ہے، بغیر زبان کے بولتا ہے غرض وہ جسم وجسمانیات سے، ہر طرح کی جسمانی ضروریات سے پاک ہے، ٹیگور نے اس نظم میں اسی دوسرے فرقے کی ترجمانی کی ہے جو دوسرے فرقے کے نظریات کے خلاف ہے یہی وجہ ہے کہ مورتی پوجا کے حامیوں کو یہ ترانہ یکسر نہیں بھاتا، اتر پردیش کے سابق وزیر اعلی کلیان سنگھ اور اُن کے ساتھ جسٹس کاٹجو اس ترانے کی کھلی مخالفت کر چکے ہیں، یو ٹیوب پر یوگ گرو رام دیو کے گرو، آں جہانی راجیو دکھشت نے اس نظم کے قومی ترانہ قرار دیے جانے کو دیش کا "دربھاگیہ" یعنی ملک کی بدنصیبی قرار دیا ہے سادھوی رتمبھرا بھی ۲۰۰۴ء میں اس ترانے کے خلاف اسی طرح کی بات کہہ چکی ہے اور پھر وہ سارے لوگ جو آزادی کے بعد سے لے کر اب تک "جن گن من" کی بجائے "وندے ماترم" جیسی خالص مشرکانہ نظم کو قومی ترانہ بنانے کی ضد پر اڑے ہوئے ہیں، اس ترانے کا وردھ کر رہے ہیں، اور اس کے خلاف طرح طرح کی بے بنیاد افواہ پھیلا رہے ہیں، اُن کا منشا یہ ہے کہ مسلمان بھی اس ترانے کا سڑکوں پر نکل کر وردھ کریں اور ہمیں، موجودہ قومی ترانے کی جگہ "وندے ماترم" کو قومی ترانہ بنانے کا موقع مل جائے۔ غالباً اسی مقصد کے تحت اتر پردیش کی موجودہ یوگی حکومت نے سارے امداد یافتہ مدارس کو سال ۲۰۱۷ء میں ۱۵، اگست سے پہلے یہ آدیش دیا کہ یوم آزادی اور یوم جمہوریہ کے موقعے پر قومی ترانہ پڑھنا لازمی ہے۔ انھیں توقع رہی ہوگی کہ مسلمان اس کی مخالفت میں سڑکوں پر اتریں گے، مشتعل ہوں گے، اپنا وقت، اپنی توانائی، اپنا مال برباد کریں گے اور ان کی اس مخالفت کی بنا پر اگر ہم ایک طرف ساکنان ہند کی اکثریت کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہوں گے کہ دیکھو مسلمان وطن کا غدار ہے، اگر نہ ہوتا تو وہ قومی ترانے کی مخالفت کیوں کرتا؟ دوسری طرف موجودہ قومی ترانے کے خلاف ہماری زمین ہموار ہوگی اور آگے "وندے ماترم" کو قومی ترانہ بنانے میں ہمیں سہولت ہوگی،

مگر ایسا ہوا نہیں، مسلمانوں نے دور اندیشی سے کام لیا اور برائے نام اس کے خلاف چند اخباری بیانات جاری کر کے خاموشی اختیار کرلی- ورنہ آپ مجھے بتائیں کہ وہ جس انتہا پسند پارٹی سے جڑے ہوئے ہیں اس پارٹی کے لوگ جب اس ترانے کا کھلا وِرودھ کر رہے ہیں، اسے غلامی کی علامت قرار دے رہے ہیں اسی ترانے کو وہ وطن کی وفاداری کی بنیاد بناکر مدرسوں کو پڑھنے کا آدیش کیوں دے رہے ہیں؟

آخر "وندے ماترم" میں ہے کیا؟ جس کی بنیاد پر موجودہ قومی ترانے کی جگہ اسے رکھنے کی بات کی جارہی ہے در اصل یہ نظم بنکم چند چٹّ اوپادھیائے کی لکھی ناول "آنند مٹھ" کا ایک حصہ ہے، اس ناول میں ناول نگار نے اگر ایک طرف انگریزوں کی تعریف کے پل باندھے ہیں تو دوسری طرف مسلمانوں کی تحقیر وتذلیل میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے، اس میں ایک جگہ لکھا ہے کہ "مسلمان ایشور ورودھی {مخالف} ہیں اس لیے انہیں ہم سونش {خاندان سمیت} ختم کرنا چاہتے ہیں"۔

دوسری جگہ لکھا ہے:

"بھائی وہ دن کب آئے گا جب مسجد توڑ کر ہم "رادھا مادھو" کا مندر بنوائیں گے "تیسری جگہ لکھا ہے کہ "بولو وندے ماترم نہیں تو مار ڈالوں گا" وغیرہ وغیرہ۔

ناول نگار نے مسلمانوں کے خلاف جس دہشت گردی اور انتہا پسندی کی تعلیم دی ہے ظاہر ہے آر ایس ایس کو وہ ناول نگار بھی پسند آئے گا اور اس کی نظم بھی، اس نظم میں نہ صرف یہ کہ بھارت کی دھرتی کو "ماں" کہا گیا ہے بلکہ بار بار اس کی "بندنا" یعنی پوجا کرنے کا اقرار کیا گیا ہے جو اسلام کی اساس اور عقیدۂ توحید سے سراسر متصادم ایک مشرکانہ بات ہے۔

آزادی کے بعد جب قومی ترانے پر بحث چھڑی تو ایک گروہ نے "وندے ماترم" کو قومی ترانہ بنانے کی زبردست مہم چلائی مگر مسلمانوں کی سخت مخالفت کے سبب ان کی مہم کامیاب نہیں ہوئی اور "جن گن من" کو قومی ترانہ بنا دیا گیا۔

"وندے ماترم" کے خلاف "جن گن من" میں ایک غیر متعیّن ذات کی تعریف کی گئی ہے، اس کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں، کسی کا نام نہیں لیا گیا ہے اور کہیں بھی اس میں ممدوح کے تعدد کا اشارہ نہیں ہے خواہ وہ ایک اس کے اعتقاد میں ایشور ہو یا کوئی دیوتا، پھر یہ کہنا کہ اس نے یہ نظم، دیوتاؤں کے لیے لکھی ہے زبردستی والی بات ہے۔ جب کہ شاعر خود اقرار کر رہا ہے کہ میں نے یہ نظم، بھارت کا مقدر سنوارنے والے کی تعریف میں لکھی ہے۔

ایسی صورت میں اس کی صحیح تاویل کرنا عقلمندی ہے؟ یا شدت کے ساتھ اس کی مخالفت کر کے لاشعوری طور پر "وندے ماترم" کو قومی ترانہ بنانے کی راہ آسان کرنا؟ اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ نظم اس نے کنگ جارج پنجم کی شان میں ہی لکھی ہے یا کسی دیوتا کی شان میں لکھی ہے تو کیا ایسا نہیں ہوتا کہ ایک ہی قول، قائل کے اعتقاد کے اختلاف سے کفر بھی ہو اسلام بھی، یا جائز بھی ہو اور ناجائز بھی؟

ذیل میں ناچیز اس ترانے کے ایک ایک لفظ کا معنیٰ لکھ رہا ہے ہمارے مفتیان کرام، معزز علمائے عظام بھی ہندی لغات از خود دیکھ کر یا پھر کسی معتمد ہندی زبان کے ماہر سے دریافت کر کے میرے ذکر کردہ معانی کی توثیق کرلیں۔

پہلا بند

"जन गण मन आधिनायक जय हे भारत भाग्य विधाता!"

{1} جن گنڑ- تمام لوگ {جن- فرد- گنڑ - جماعت

{2} من- "من" یا "دِل"۔

{3} ادھنائک - یعنی " संपूर्ण अधिकार प्राप्त शाषक" ایسا حاکم مطلق جو اپنے ارادہ سے جو چاہے وہ کرے نہ اس سے کسی کو سوال کرنے کا کوئی حق ہو اور نہ ہی کسی کو اس پر پابندی لگانے کا اختیار۔

ایسا حاکم ہے کون؟ کس کی شان ہے "اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ"؟ بے شک تمھارا رب جب جو چاہے وہ کرے- کس سے متعلق قرآن کہتا ہے "لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْئَلُوْنَ" اس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور ان سب سے سوال ہوگا، اس شان کا حاکم ہونا تو فقط خدا کی شان ہے اگر کوئی بندہ اس کا دعوے دار ہوجائے تو وہ فرعون ہے، قابل مذمت ہے، لیکن یہ کوئی ضروری نہیں کہ کوئی وصف بندوں کے حق میں عیب ہو تو وہ خدا کے حق میں بھی عیب ہوجائے، متکبر ہونا بندے

کے حق میں کتنا بڑا عیب ہے؟ مگر خدا کے حق میں عیب نہیں خوبی ہے ایسی خوبی جس کا حق دار فقط خدا ہے "هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ" وہی ہے اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ، نہایت پاک، سلامتی دینے والا، امان بخشنے والا، حفاظت فرمانے والا، عزت والا، تکبر والا، اللہ کو پاکی ہے ان کے شرک سے۔

{4} بھارت بھاگیہ-ہندوستان کی تقدیر۔

{5} ودھاتا-بنانے والا

{6} "جے ہے" پورے ترانے میں "جے ہے" چھ بار اور "جے" تین بار بولا گیا ہے، سب لوگ جانتے ہیں کہ یہ الفاظ مشرکین اپنے دیوی دیوتاؤں کے لیے بولتے ہیں ظاہر ہے کہ دیوی دیوتاؤں کے پجاری اپنے معبودان باطل کے لیے جیت کی دعا نہیں کرتے وہ تو اپنی مشکل گھڑی میں اپنے مقابل پر جیت کے لیے خود ان سے دعائیں مانگتے ہیں پھر اس "جے" کا معنی "جیت" کرنا سیاق وسباق کو نظر انداز کر کے ایک غلط معنی کا تعین کرنا ہے پھر اس نظم میں کسی خاص دیوی دیوتا کی بات ہی نہیں کی گئی ہے فقط ایک غیر متعیّن ذات کے لیے "جے" بولا گیا ہے آخر کسی کے لیے بار بار جے بولنے کا مطلب کیا ہے آن لائن ہندی لغت کا یہ حصہ پڑھیے:-

" जय शब्द के हिन्दी में कई अर्थ होते हैं परन्तु मुख्य अर्थ होता है किसी की प्रशंसा करना। इसका देश- प्रेम, राजनैतिक नारों अत्यादी अथवा भजन-कीर्तन में भगवान की प्रशंसा हेतु बहुत प्रयोग होता है "

آپ دیکھ رہے ہیں کہ "جے" کا بنیادی اور کلیدی مفہوم "प्रशंसा करना। "یعنی تعریف کرنا ہے۔ البتہ "جے" کا استعمال زندہ آباد اور جیت کے معانی میں بھی موقع اور محل کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

نظم کے پہلے بند میں مذکور الفاظ کے ان معانی کی روشنی میں اردو ترجمہ یہ بن سکتا ہے۔

{1} اے نوع انسانی کے قلوب کے مالک حقیقی! اے ہندوستان کی تقدیر بنانے والے! تیری تعریف ہے۔

یہاں ہوسکتا ہے کہ ذہن میں یہ بات کھٹکے کہ چوں کہ لفظ "جے" مشرکین اپنے معبودان باطل کے لیے بولتے ہیں اس لیے ہم اسے اللہ کے لیے نہیں بول سکتے، اللہ رب العزت کے لیے لفظ "جے" بولنا ان سے مشابہت کے سبب ناجائز ہے، لیکن پھر کسی کے ذہن میں یہ سوال کھٹک سکتا ہے کہ ہندوستانی مشرکین اپنے معبودان باطل کے لیے کئے جانے والے ہر عمل کی تعبیر "پوجا" سے کرتے ہیں تو کیا اس بنیاد پر خدا کی "عبادت" کی تعبیر "پوجا" سے کرنا ناجائز ہوجائے گا؟ اگر ہاں تو کیا کنزالایمان میں "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" "ہم تیری ہی عبادت کریں کی بجائے "ہم تجھی کو پوجیں" والا ترجمہ اس لیے ناجائز ہوجائے گا کہ جو لفظ مشرکین اپنے معبودان باطل کی عبادت کے لیے بولتے ہیں وہ اللہ کے لیے نہیں بولا جاسکتا۔ جیسا کہ ہمارے مسلکی حریفوں نے اس طرح کا احمقانہ سوال کھڑا بھی کیا ہے اور اگر نہیں تو پھر اللہ کی "تعریف کرنا" کی بجائے ہندی زبان میں "جے بولنا" اس بنیاد پر کیوں ناجائز ہوجائے گا کہ یہ لفظ مشرکین اپنے معبودان باطل کی تعریف کے لیے بولتے ہیں؟ میرا ماننا ہے کہ جب آدمی کسی زبان سے اس زبان کے الفاظ، ان کے معانی اور محل استعمال سے ناآشنا ہوتا ہے تو بہت ساری غلط فہمیاں پیدا ہوسکتی ہیں اور ان پر حکم شرعی لگانے میں چوک بھی۔

یہاں پر عموماً ایک مسئلہ "تشبہ بالغیر" اور "شعار کفار" کا اٹھایا جاتا ہے اور بڑی آسانی سے یہ بات کہہ کر کہ سرکار اعلیٰ حضرت نے جے بولنا طریقۂ کفار بتایا ہے اور حدیث میں ارشاد ہے کہ "من تشبہ بقوم فھو منھم" {جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے تو وہ انھیں میں سے شمار ہوگا} اس لیے اس ترانہ کا گانا ناجائز ہے میں چاہوں گا کہ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے اس تعلق سے سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو تحقیقی اور تفصیلی گفتگو فتاویٰ رضویہ "کتاب الحظر و الاباحۃ" میں فرمائی ہے اس کا خلاصہ آپ کے سامنے پیش کردوں۔

مسائل کی اس جنس میں حقِ تحقیق وتحقیقِ حق یہ ہے کہ تشبہ دو وجہ پر ہے التزامی ولزومی۔

وجہِ اول التزامی التزامی یہ ہے کہ یہ شخص کسی قوم کے طرز

ووضع خاص اسی قصد سے اختیار کرے کہ ان کی سی صورت بنائے ان سے مشابہت حاصل کرے حقیقۃً تشبہ اسی کا نام ہے "فان معنی القصد والتکلف ملحوظ فیه کما لایخفی "{اس لیے کہ قصد اور تکلف کے مفہوم کا اس میں لحاظ رکھا گیا ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں}

وجہِ دوم لزومی لزومی یہ کہ اس کا قصد تو مشابہت کا نہیں مگر وہ وضع اُس قوم کا شعارِ خاص ہو رہی ہے کہ خواہی نخواہی مشابہت پیدا ہوگی۔

التزامی میں قصد کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت۔ یہ ہے کہ اس قوم کو محبوب و مرضی جان کر اُن سے مشابہت پسند کرے یہ بات اگر مبتدع کے ساتھ ہو بدعت اور کفّار کے ساتھ معاذاللہ کفر، حدیث "من تشبه بقوم فهو منهم"{جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے تو وہ انھیں میں سے شمار ہوگا} حقیقۃً صرف اسی صورت سے خاص ہے۔

غمز العیون والبصائر میں ہے:

"اتفق مشائخنا ان من رأی امر الکفار حسنا فقد کفر حتّٰی قالوا فی رجل قال "ترک الکلام عند اکل الطعام حسن من المجوس اوترک المضاجعة عندهم حال الحیض حسن فهو کافر"{ہمارے مشائخ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ جو کوئی کافروں کے کسی کام کو اچھا سمجھے تو وہ بلاشبہ کافر ہو جاتا ہے یہاں تک کہ انہوں نے فرمایا کہ جو کوئی کھانا کھاتے وقت باتیں نہ کرنے کو اور حالت حیض میں عورت کے پاس نہ لیٹنے کو مجوسیوں اور آتش پرستوں کی اچھی عادت کہے تو وہ کافر ہے۔

دوسری صورت ۔کسی غرض مقبول کی ضرورت سے اسے اختیار کرے وہاں اس وضع کی شناعت اور اس غرض کی ضرورت کا موازنہ ہوگا اگر ضرورت غالب ہو تو بقدر ضرورت، وقت ضرورت کا یہ تشبہ، کفر کیا معنی ؟ ممنوع بھی نہ ہوگا جس طرح صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مروی کہ بعض فتوحات میں منقول رومیوں کے لباس پہن کر بھیس بدل کر کام فرمایا اور اس ذریعہ سے کفارِ اشرار کی بھاری جماعتوں پر باذن اللہ غلبہ پایا اسی طرح سلطان مرحوم صلاح الدین یوسف انار اللہ تعالٰی برہانہ کے زمانے میں جب کہ تمام کفارِ یورپ نے سخت شورش مچائی تھی دو عالموں نے پادریوں کی وضع بنا کر دورہ کیا اور اس آتشِ تعصب کو بجھا دیا۔

خلاصہ میں ہے:

"لوشد الزنار علی وسطه ودخل دارالحرب لتخلیص الأسارٰی لایکفر ولودخل لاجل التجارة یکفر ذکرہ القاضی الامام ابو جعفر الاستروشنی"

{اگر کوئی شخص اپنی کمر میں زُنّار باندھے اور قیدیوں کو چھڑانے کے لیے دارالحرب میں داخل ہو تو کافر نہیں ہوگا اور اگر اس ہیئت میں تجارت کے لیے جائے تو کافر ہو جائے گا۔ امام ابو جعفر استروشنی نے اس کو ذکر کیا ہے۔

ملتقط میں ہے:

"اذا شد الزنار او اخذ الغل اولبس قلنسوة المجوس جادا اوهازلا یکفر الا اذا فعل خدیعة فی الحرب"

جب کسی شخص نے زُنّار باندھا یا طوق لیا یا آتش پرستوں کی ٹوپی پہنی خواہ سنجیدگی کے ساتھ یا ہنسی مذاق کے طور پر تو کافر ہو گیا، مگر جنگ میں بہ طور تدبیر ایسا کرے تو کافر نہ ہوگا۔

منح الروض میں ہے:

"ان شد المسلم الزنار ودخل دارالحرب للتجارة کفر ای لانه تلبس بلباس کفر من غیر ضرورة شدیدة و لافائدہ مترتبة بخلاف من لبسها لتخلیص الاساری علی ماتقدم"{اگر مسلمان زنّار باندھ کر دارالکفر میں کاروبار کے لیے جائے تو کافر ہو جائے گا اس لیے کہ اس نے بغیر کسی شدید مجبوری کے اور بغیر کسی ترتب فائدہ کے لباس کفر پہنا بہ خلاف اُس شخص کے جس نے قیدیوں کو آزاد کرانے کے لیے لباس کفر (برائے حیلہ) استعمال کیا، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔

تیسری صورت نہ تو انھیں اچھا جانتا ہے نہ کوئی ضرورت شرعیہ اس پر حامل ہے بلکہ کسی نفع دنیوی کے لیے یا یوہیں بطور ہزل واستہزا اس کا مرتکب ہوا تو حرام و ممنوع ہونے میں شک نہیں اور اگر وہ وضع ان کفار کا مذہبی دینی شعار ہے جیسے زنّار، قشقہ، چھٹیا، چلیپا، تو علمانے اس صورت میں بھی حکم کفر دیا کما سمعت انفا{جیسا کہ تم نے ابھی سنا}اور فی الواقع صورت استہزا میں حکم کفر

ظاہر ہے کما لایخفی {جیسا کہ پوشیدہ نہیں}

اور لزومی میں بھی حکم ممانعت ہے جب کہ اکراہ وغیرہ مجبوریاں نہ ہوں جیسے انگریزی منڈا، انگریزی ٹوپی، جاکٹ، پتلون، اُلٹا پردہ، اگرچہ یہ چیزیں کفار کی مذہبی نہیں مگر آخر شعار ہیں تو ان سے بچنا واجب اور ارتکاب گناہ۔ ولہٰذا علما نے فسّاق کی وضع کے کپڑے موزے سے ممانعت فرمائی۔

فتاویٰ خانیہ میں ہے:

"الاسکاف اوالخیاط اذا استوجر علی خیاطة شیٔ من زی الفساق و یعطی له فی ذٰلك کثیراجر لایستحب له ان یعمل لانه اعانة علی المعصیة" {موچی یادرزی فسّاق وفجّار کی وضع کے مطابق معمول سے زیادہ اُجرت پر لباس تیار کرے تو اس کے لیے یہ کام مستحب نہیں اس لیے کہ یہ گناہ پر امداد واعانت ہے۔

مگر اس کے تحقق کو اس زمان ومکان میں ان کا شعار خاص ہونا قطعًا ضرور جس سے وہ پہچانے جاتے ہوں اور ان میں اور ان کے غیر میں مشترک نہ ہو ورنہ لزوم کا کیا محل، ہاں وہ بات فی نفسہٖ شرعًا مذموم ہوئی تو اس وجہ سے ممنوع یا مکروہ رہے گی نہ کہ تشبّہ کی راہ سے، امام قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں درباره طیلسان کہ پوشش یہود تھی فرماتے ہیں "اما ماذکره ابن اقیم من قصة الیهود فقال الحافظ ابن حجر انما یصح الاستدلال به فی الوقت الذی تکون الطیالسة من شعارهم وقد ارتفع ذٰلك فی هذه الازمنة فصار داخلا فی عموم المباح وقد ذکره ابن عبدالسلام رحمه الله تعالٰی فی امثلة البدعة المباحة" {رہا یہ کہ جو کچھ حافظ ابن قیم نے یہودیوں کا واقعہ بیان کیا ہے تو اس بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ یہ استدلال اس وقت درست تھا جب کہ مذکورہ چادر اُن کا شعار ہوا کرتی تھی لیکن اس دَور میں یہ چیز ختم ہو چکی ہے۔ لہٰذا اب یہ عموم مباح میں داخل ہے، چنانچہ علامہ ابن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بدعت مباح کی مثالوں میں ذکر فرمایا ہے۔

امام اجل فقیہ النفس فخرالملۃ والدین قاضی خاں پھر امام محمد محمد محمد ابن الحاج حلبی حلیہ شرح منیہ فصل مکروہات الصلوٰۃ پھر علامہ زین بن نجیم مصری بحرالرائق پھر علامہ محمد بن علی دمشقی در مختار میں فرماتے ہیں:

"التشبه باهل الکتاب لایکره فی کل شیٔ فانا ناکل ونشرب کما یفعلون ان الحرام التشبه بهم فیما کان مذموما اوفیما یقصد به التشبه" {ہر چیز میں اہل کتاب سے مشابہت مکروہ نہیں جیسے کھانے پینے وغیرہ کے طور طریقے میں کوئی کراہت نہیں۔ ان سے تشبہ ان کاموں میں حرام ہے جو مذموم یعنی برے ہیں یا جن میں مشابہت کا ارادہ کیا جائے۔

علامہ علی قاری منح الروض میں فرماتے ہیں:

"انا ممنوعون من التشبه بالکفرة واهل البدعة المنکرة فی شعارهم لامنهیون عن کل بدعة ولوکانت مباحة سواء کانت من افعال اهل السنة اومن افعال الکفر واهل البدعة فالمدار علی الشعار"

ہمیں کافروں اور منکر بدعات کے مرتکب لوگوں کے شعار کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے ہاں اگر وہ بدعت جو مباح کا درجہ رکھتی ہو تو اس سے نہیں روکا گیا خواہ وہ اہل سنت کے افعال ہوں یا کفار اور اہل بدعت کے۔ لہٰذا مدارِ کار شعار ہونے پر ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں محیط سے ہے:

"قال هشام فی نوادره ورأیت علی ابی یوسف رحمه الله تعالٰی نعلین محفوفین بمسامیر الحدید فقلت له اتری بهٰذا الحدید بأسا قال لافقلت له ان سفین و ثور بن یزید کرها ذٰلك لانه تشبه بالرهبان فقال ابو یوسف رحمه الله تعالٰی کان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یلبس النعال التی لها شعور وانها من لباس الرهبان"

ہشام نے نوادر میں فرمایا میں نے امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کو ایسے جوتے پہنے ہوئے دیکھا جن کے چاروں طرف لوہے کی کیلیں لگی ہوئی تھیں، میں نے عرض کی، کیا آپ اس لوہے سے کوئی حرج سمجھتے ہیں؟ تو فرمایا کہ نہیں، میں نے عرض کی لیکن سفیان اور ثور بن یزید تو انھیں پسند نہیں فرماتے کیوں کہ ان میں عیسائی راہبوں سے مشابہت پائی جاتی ہے۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے جوتے پہنتے تھے جن کے بال

ہوتے تھے حالانکہ یہ بھی عیسائی راہبوں کا لباس تھا الخ اس تحقیق سے روشن ہوگیا کہ تشبُّہ وہی ممنوع ومکروہ ہے جس میں فاعل کی نیت تشبہ کی ہو یا وہ شے ان بدمذہبوں کا شعار خاص یا فی نفسہ شرعًا کوئی حرج رکھتی ہو، بغیر ان صورتوں کے ہرگز کوئی وجہ ممانعت نہیں۔

تشبہ بہ بدمذہباں سے متعلق سرکار اعلیٰ حضرت کی اس تفصیل وتحقیق کے بعد اب آئیے ذرا دیکھیں زیر بحث "جے گان" یعنی نغمۂ توصیف کی شکل میں ہمارے ملک کا جو "راشٹر گان" یعنی قومی ترانہ ہے، کیا اسے مسلمان اس لیے پڑھتا ہے کہ وہ بدمذہبوں سے تشبہ پیدا کرنا چاہتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تشبہ کا ارادہ تو در کنار اس کا تو وہ تصور بھی نہیں کرتا۔ پھر کیا کسی کے لیے کسی کے دل پر حکم چلانا یا بدگمانی کرنا شرعًا جائز ہے؟ قال اللہ تعالیٰ "ولا تقف مالیس لك به علم ان السمع والبصر والفؤاد كل اولٰئك كان عنه مسئولا" اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا" ان باتوں کے پیچھے نہ پڑو جن کا تمھیں کچھ علم نہیں۔ بے شک کان، آنکھ اور دل کے متعلق (بروز قیامت) پوچھا جائے گا، پھر کیا یہ قومی ترانہ اُن کا شعار خاص ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ قومی ترانہ تو ایک لادینی حکومت، سیکولر اسٹیٹ اور دھرم نرپیکچھ راشٹر کا ترانہ ہے جو اتنا عام ہے کہ اسے ہر مذہب والا اپنے اپنے اعتقاد کے حساب سے پڑھ سکتا ہے۔ پھر جب جے جے کار کرنے یا جے بولنے کا مفہوم بنیادی طور پر تعریف کرنا ہے تو شرعی نقطۂ نظر سے ذات باری تعالیٰ کے لیے اس کے اطلاق میں کیا قباحت ہے؟ کیا تعریف کرنے کا ہندی میں جے کار کرنا یا جے بولنا ترجمہ کر دینے سے اس کا اطلاق اُس پر ناجائز ہو جائے گا؟ ارے بتوں کے لیے جے بولنا اسی لیے تو کفر ہے کہ جے بولنا جس کے لیے جے بولی جائے اس کی تعظیم کرنا ہے اور بتوں کی تعظیم کفر ہے۔ کیا یہ اس بات کی کھلی دلیل نہیں ہے کہ کسی کے جے بولنے میں اس کی تعظیم ہی مقصود ہوتی ہے اور یہ لفظ اظہار تعظیم کے لیے صریح ہے۔

دوسرا بند

पंजाब सिन्धु गुजरात मराठा द्राविड़ उत्कल बंग विन्ध्य हिमाचल यमुना गंगा उच्छल जलधि तरंग तव शुभ नामे जागे, तव शुभ आशिष मागे गाहे तव जयगाथा

{1} پنجاب - ریاست پنجاب یا ساکنان پنجاب۔

{2} سندھ - سندھو ندی یا اس کے ساحل پر بسے لوگ۔

{3} گجرات - ریاست گجرات یا ساکنان گجرات۔

{4} مراٹھا - مہاراشٹر یا ساکنان مہاراشٹر۔

{5} دراوڑ - جنوبی ہند یا ساکنان جنوبی ہند۔

{6} اتکل - اڑیسہ یا ساکنان اڑیسہ۔

{7} بنگا - ریاست بنگال یا ساکنان بنگال۔

{8} وندھیہ - وندھیانچل پہاڑی۔

{9} ہماچل - ہماچل کا کوہی سلسلہ۔

{10} و{11} گنگا، یمونا - دو معروف ندیوں کے نام جس کے سبب الہ آباد کے ایک بڑے علاقے کو دوآبہ کہتے ہیں۔

{12} اُچّھل - اچھلتا ہوا۔

{13} جلدھی - سمندر۔

{14} ترنگ - پانی کی لہر۔

{15} تو - تیرے۔

{16} شُبھ - مبارک۔

{17} نامے - نام سے۔

{18} جاگے - بے دار ہوتے ہیں۔

{19} آشش - دعا۔

{20} مانگے - مانگتے ہیں۔

{21} گاہے - گاتے ہیں۔

{22} جے گاتھا - فتح یا غلبے کی داستان۔

نظم کے دوسرے بند میں مذکور الفاظ کے ان معانی کی روشنی میں اردو ترجمہ یہ بن سکتا ہے۔

اے ہندوستان کی تقدیر بنانے والے! پنجاب، سندھ، گجرات، مراٹھا، دراوڑ، اتکل، بنگال، وندھیاچل اور ہماچل پردیش کے تمام لوگ گنگا جمنا اور اچھلتے لہراتے سمندر، تیرا ہی نام لے کر بیدار ہوتے ہیں اور تجھی سے نیک دعائیں مانگتے ہیں اور پھر تیرے ہی غلبے کی داستان بیان کرتے ہیں۔

تیسرا بند

जन गण मंगलदायक जय हे भारत भाग्य विधाता! जय हे, जय हे, जय हे, जय जय जय जय हे।

اس بند میں مذکور تمام الفاظ کے معانی اوپر ذکر کردئے گئے ہیں صرف ایک لفظ "منگل دایک" نیا ہے، جو دو لفظوں سے مرکب ہے۔

{1} منگل - فلاح، بھلائی، مبارک، خوشی، وغیرہ۔

{2} دایک - عطا کرنے والا، بخشنے والا۔

نظم کے اس تیسرے اور آخری بند میں مذکور الفاظ کے ان معانی کی روشنی میں اردو ترجمہ یہ بن سکتا ہے۔

اے ہندوستان کی تقدیر بنانے والے! اے لوگوں کی آرزوؤں کی تکمیل کرنے والے! تیری تعریف ہے، تیری تعریف ہے، تیری تعریف ہے، تعریف ہے، تعریف ہے، تعریف ہے۔

ناچیز نے اس ترانے کے الفاظ اور ان کے معانی میں اخلاص اور دیانت داری کے ساتھ غور کیا ہے اور مجھے اس میں، جواز کی صورت نظر آتی ہے۔ مجھے غور کرنے کی ضرورت اس لئے پڑی کہ معاملہ صرف امداد یافتہ مدارس کا تو ہے نہیں ان سارے سرکاری اسکولوں اور کالجوں کا ہے جہاں تعلیم حاصل کرنے والے بڑی تعداد میں مسلم بچے ہیں اور الا ماشاء اللہ وہ تمام بچے بلا جھجک یہ ترانہ گاتے ہیں، مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے مسلم بچوں کی تعداد تو برائے نام قریب تین فی صد ہے، ایسی صورت میں اس کا گانا جائز ہے یا ناجائز؟ واضح حکم شرعی سے عامۃ المسلمین کو آگاہ کرنا نائبین رسول اور امنائے وراثت نبویہ کی اہم ذمہ داری ہے۔

ابھی ۱۵ اگست ۲۰۱۸ ء کو مہراج گنج اتر پردیش کے تین مدرسین نے قومی ترانہ گانے سے انکار کردیا۔ جس کے نتیجے میں وہ جیل میں بند ہیں۔ ملک سے غداری کی دفعہ ان پر لگ چکی ہے اور ان کی ضمانت نہیں ہو پارہی ہے۔ اگر طریقۂ کفار ہونے کی بنا پر جے بولنا شرعاً منع بھی ہو تو کیا ایسے ضرر شدید کے سبب حکم منع میں رخصت نہیں دی جاسکتی؟

محمد مجاہد حسین رضوی مصباحی

استاذ دار العلوم غریب نواز و نائب قاضی شہر الہ آباد

۲۹ محرم الحرام ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۲۰۱۸ء، چہار شنبہ

قومی ترانہ " جن، گن، من" سے متعلق ناچیز کے شرعی نقطۂ نظر کی تائید خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد صاحب قبلہ مصباحی دام ظلہ سابق شیخ الجامعہ، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اور مناظر اہل سنت فقیہ النفس حضرت علامہ مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب قبلہ مضطر پورنوی دام ظلہ نے تصدیق و تائید فرمائی ہے۔

{ا} "مضمون بہت تحقیق اور دیدہ وری لکھا گیا ہے میں اس سے اتفاق کرتا ہوں"

محمد احمد مصباحی

۱۴۴۰/۲/۳ھ - ۲۰۱۸/۱۰/۱۳ء

{۲} "حضرت العلام مولانا مجاہد حسین صاحب فاز جھادہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مرسلہ استفتا نما مبسوط فتویٰ موصول ہوا۔ دل سے دعائیں نکلیں۔ فتویٰ لکھنے کے لیے ایسی ہی بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں اس کی تائید و تصدیق کرتا ہوں۔ نظم "جن، گن، من" شاعر نے کچھ بھی سمجھ کے کہا ہو مگر آج وہ "قومی ترانہ" ہے، جو ہرگز یہ سمجھ کر نہیں پڑھا جاتا ہے کہ جارج پنجم کی منقبت خوانی ہو رہی ہے سودا کے اس شعر:

ہوا جب کفر ثابت، ہے یہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹے شیخ سے زُنّار تسبیح سلیمانی

کے تعلق سے امام احمد رضا نے "الملفوظ" میں جو فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ: "شاعر جو بدمذہب تھا اس نے جو سمجھ کر کہا ہو گا وہ بے ہودہ معنیٰ تھا۔ اتفاقاً اس کے قلم سے لفظ "ثابت" نکل گیا جس سے یہ شعر بامعنیٰ اور پرمغز ہو گیا"

اگر اس نظم میں کچھ الفاظ ذو معنیٰ ہیں تو جو مسلمان اسے پڑھتے ہیں اس سے وہ معنیٰ مراد نہیں لیتے جو قبیح ہیں وہ تو اُن کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں ہو گا بلکہ وہ معنیٰ مراد لیتے ہیں جو اچھے ہیں توشا میں "وتعالیٰ جدك" اور "انبت الربیع البقل" کی طرح کیوں نہیں جائز ہو گا جب کہ "انبت الربیع البقل" نہ کہنے میں کوئی حرج بھی نہیں اور یہاں تو طرح طرح کی پریشانیاں اور کھلا ہوا حرج ہے .والحرج مدفوع بالنص قال تعالیٰ:" وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ"وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "یسروا ولا تعسروا"

فقیر محمد مطیع الرحمٰن رضوی غفرلہ

۱۱ اکتوبر ۲۰۱۸ء - یکم صفر ۱۴۴۰ھ

مسلمانانِ ہند کا تشویش ناک مستقبل

مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی: دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

شاعر مشرق، مردِ خودآگاہ وخداآگاہ، رومیِ دوراں، علامہ ڈاکٹر سر اِقبال کے اس شعر سے گفتگو کا آغاز ہورہا ہے

قوتِ فکر وعمل پہلے فنا ہوتی ہے
پھر کسی قوم کی شوکت پہ زوال آتا ہے

اِدھر چند ایک دہائیوں سے اُمت مسلمہ عموماً اور اِسلامیان ہند خصوصًا فکر وعمل کے جس زوال سے ہمکنار اور علم وکمال کے جس دیوالیے سے دوچار ہیں، کوئی باخبر اس سے بے خبر نہ ہوگا۔ ہماری فکری وعملی بے راہ روی اور سیاسی وجماعتی زبوں حالی نے ہمیں مجموعی طور پر ایک ایسے مقام پر لا کھڑا کیا ہے جہاں سے نہ کوئی قافلہ دکھائی دے رہا ہے اور نہ کوئی قافلہ سالار جوانِ بھٹکے ہوئے آہوؤں کو سوے حرم لے جائے۔ علامہ اقبال نے ایک دوسرے مشہور شعر میں "متاع کارواں" کے لٹنے سے زیادہ "اِحساس زیاں" کے ختم ہوجانے پر نوحہ کیا ہے۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ اِحساس زیاں کی چنگاری اگر کہیں دبی ہو تو وہ ایک نہ ایک روز متاع کارواں واپس دلا کر پھر سوے منزل رواں دواں کراسکتی ہے؛ لیکن اگر لٹنے کا اِحساس ہی ختم ہوجائے تو پھر جانب منزل کبھی قدم نہیں اُٹھائے جاسکتے۔

ہرچند کہ ہمیں دیا گیا عنوان اسلامیان ہند کے تناظر میں ہے؛ مگر اُمت مسلمہ اس وقت عالم گیر طور پر مسائل در مسائل سے دوچار ہے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں اور سوشل میڈیا کی پل پل کی خبریں حالات سے آپ کو باخبر کرنے کے لیے اپنا رول اَدا ہی کررہی ہیں۔ یہ بات بڑی عجیب ہے کہ آج دنیا کا ہر پانچواں شخص مسلمان ہے، مگر اس عددی کثرت کے باوجود "برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر"۔ ان دنوں شامی مسلمانوں پر ہونے والے بہیمانہ حملوں اور نسل کشی کی واردات نے ذہن وفکر کو بالکل ماوف کرکے رکھ دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہندستان کے بہت سے شہروں میں مسلمانوں پر توڑے جانے والے مصائب وآلام کے پہاڑ کچھ کم نہیں ہیں اور ان کے خلاف ظلم وطغیان کی جو آندھیاں اُٹھ رہی ہیں وہ بھی محتاج بیان نہیں۔ دوسری طرف فتنوں سے مقابلے کی ہمت مسلمانوں سے رخصت ہوچکی ہے، تاب مقاومت نے دم توڑ دیا ہے اور اُمت مرحومہ اَب چہار جانب نااُمیدیوں کے اندھیروں میں گرفتار بھٹک رہی ہے

اُسی کشتی کو نہیں تاب تلاطم صد حیف!
جس نے رخ پھیر دیے تھے کبھی طوفانوں کے

قرآن عظیم میں مسلمانوں پر آنے والی مصیبتوں کے اَسباب وعلل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ یَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ﴿۳۰﴾۔ [سورۂ شوریٰ:۳۰]

یعنی تمھیں جو کچھ تکلیفیں پہنچتی ہیں اور آلام ومصائب سے دوچار ہوتے ہو یہ سب تمھارے کیے کا پھل اور تمھارے اعمال کی شامت ہے، اور اللہ تعالیٰ تمھاری بہت ساری کوتاہیوں سے درگزر فرمادیتا ہے۔

اَعمال کی شامت اس درجہ شدید ہوتی ہے کہ آسمانی مدد روک لی جاتی ہے اور درد وکرب میں ڈوبی ہوئی فریادیں بھی باب اجابت سے ٹھکرادی جاتی ہیں۔ سنن ترمذی کی حدیث [نمبر ۲۹۱۵] میں آتا ہے کہ پریشان حال، پریشان بال، خستہ وخراب مسافر، بے قراری میں آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھاکر یارب یارب تو پکارتا ہے، مگر ادھر اس کا کرتوت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام، اور غذا حرام، بھلا ایسی حالت میں اس کی فریاد کیسے سنی جائے گی!۔

دوسری جگہ فرمایا گیا:

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ [سورۂ عنکبوت:۲،۱]

یعنی ایمان لانے کا مطلب یہ نہیں کہ مومن مصائب سے مامون اور حوادث سے محفوظ ہوگیا، خوب سمجھ لو کہ آزمائش کی بھٹیوں میں تپایا جائے گا اور امتحان وابتلا کی کڑی دھوپ سے گزرنا ہوگا۔

ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ مصیبتوں کے نزول کے اسباب" اہل اسلام پر دو ہیں" یا تو قوم مسلم کی آزمائش اور امتحان مقصود ہے یا پھر وہ ان

کی غلط حرکتوں کی سزا ہے، جس کی حکمت یہ تھی کہ مسلمان کلمہ کو جادو کی لکڑی نہ تصور کرے کہ جس کے پڑھتے ہی تمام مصائب سے نجات کا سرٹیفکیٹ حاصل ہوجائے گا اور جملہ آرام وآسائش کا پرمٹ دستیاب ہوجائے گا، بلکہ یہ عین ممکن ہے کہ ابتلا وآزمائش میں اضافہ ہو اور ہر طرف سے اہل دنیا کی مخالفتوں کا سامنا ہو :

یہ شہادت گہ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا!

اس لیے مصائب میں پڑکر مسلمان کو ہمت نہیں ہارنی چاہیے، حوصلے نہیں چھوڑنا چاہیے، طوفانوں کا مردانہ وار مقابلہ کرے اور حوادث کی بھٹی سے اسلام کا جھنڈا ہاتھ میں لیے کندن بن کر باہر آئے۔ تب ان شاء اللہ وَاَنْتُمُ الاَعْلَوْنَ [تم ہی سربلند ہو] کا جلوہ تمھارے سامنے ہوگا اور تب معلوم ہوگا کہ

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہوجائے

کا مطلب کیا ہے؟ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مصائب تمھارے برے کرتوت کی سزا ہوں، اس وقت بھی خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیے، اللہ ہی کی بارگاہ میں لوٹو، اس سے توبہ واستغفار کرو، روؤ، گڑگڑاؤ، اور اپنے اعمال پر نظر ثانی کرو، برائیوں سے باز آؤ اور نیکیوں پر عمل کرو تو اللہ تعالیٰ تمھارے دن پھیر دے گا اور زندگی کی مسکراہٹیں تمھارا استقبال کریں گی۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ [سورۂ توبہ:۱۰۱]

یعنی اور ایسے اعتراف کرنے والے جنھوں نے نیک وبد دونوں ہی قسم کے اعمال کیے اللہ ان کی توبہ قبول کرے گا وہ تو بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

تو ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مسلمان خدائے پاک کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کرتا، اپنے اعمال کی اِصلاح کرتا اور جرأت واستقلال سے حوادث کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کا مقابلہ کرتا!۔ مگر کیا حالات کے اتنے ابتر وزبوں ہوجانے کے باوجود ہم ان میں سے کچھ کرنے پر کمربستہ ہوئے!۔

آج ہماری صورتحال یہ ہے کہ مسجدوں میں بچھی ہوئی چٹائیاں ہماری پیشانیوں کا انتظار کرتی رہتی ہیں۔ اور الماریوں میں رکھے ہوئے قرآن پڑھنے والوں کی راہیں تکتے رہتے ہیں۔ قریبًا ستاون اسلامی ملک ہیں مگر مصطفےٰ کا دین ہر جگہ پردیسی نظر آرہا ہے، اور کوئی اسے سینے لگانے کے لیے تیار نہیں ہے۔ گھر کی چہار دیواری سے لے کر اسمبلی ہال تک شیطنت راج کررہی ہے۔ لوگو! آج دنیا بھر میں آپ گھوم کر دیکھ لیں کہ ہر شخص اپنی مذہبی اور قومی شناخت کو بچارہا ہے، اس کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ میں نے یورپ میں جاکر دیکھا کہ چالیس چالیس سال سے وہاں سکھ رہ رہے ہیں، سکھوں کی مذہبی علامت اُن کی پگڑی اور ان کی داڑھی ہے۔ یورپ کے ماحول میں رہ کر بھی سکھوں نے اپنی پگڑی اور داڑھی نہیں چھوڑی۔ سکھ اپنی پگڑی سے پہچان لیے جاتے ہیں، کیوں کہ وہ ان کی مذہبی علامت ہے۔ ہندو اپنے قشقے سے پہچان لیے جاتے ہیں، یورپ کے ماحول میں بھی ہندو قشقہ لگاکر پھرتے ہیں، انھوں نے اپنا قشقہ نہیں چھوڑا، عیسائی اپنی ٹائی سے پہچان لیے جاتے ہیں، یہودی اپنی چوٹی پر رکھی چھوٹی سی ٹوپی سے پہچان لیے جاتے ہیں۔ سکھ پہچان لیے جاتے ہیں، ہندو پہچان لیے جاتے ہیں، عیسائی پہچان لیے جاتے ہیں اور یہودی پہچان لیے جاتے ہیں۔ مگر آج امام الانبیاء کی اُمت اتنی لاوارث اور یتیم ہوگئی ہے کہ وہاں مسلمانوں کی کوئی پہچان نہیں رہی ۔

انجامِ غلامی کیا کہیے بربادی سی بربادی ہے
جو درس شہ بطحا نے دیا وہ درس پڑھانا بھول گئے
عبرت کا مرقع یہ پستی، اور قابل حیرت یہ مستی
اوروں کو جگانا یاد رہا خود ہوش میں آنا بھول گئے

ہم یہ سوچنے پر مجبور بھی ہیں کہ آخر مسلمان اتنے بے بس اور لاچار کیوں ہیں؟۔ کیا ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے یہ ہندستانی واقعات کافی نہیں کہ ابھی کل کی بات ہے اَروند کجریوال مٹھی بھر لوگوں کے ساتھ احتجاج کا سلسلہ شروع کرتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ملک کی دو بڑی پارٹی کانگریس اور بی جے پی کے آنکھوں کی نیند حرام کردیتے ہیں، اور سیاست کا ایک نیا چہرہ بن کر دنیا کے سامنے ابھر جاتے ہیں —— گوجر برادری کے لوگ ریلوے ٹریک پر دھرنا دے کر حکومت کو اپنے مطالبات کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیتے ہیں اور حکومت ان کے لیے ریزرویشن منظور کرنے کا فیصلہ کردیتی ہے —— پٹیل برادری ایک آواز پر دس لاکھ کی تعداد میں اکٹھا ہوجاتی ہے اور حکومت کے ناک میں دم کردیتی ہے —— سکھ برادری کے لوگ مختلف پارٹیوں میں رہنے کے باوجود قومی مسائل پر ہم خیال نظر آتے ہیں —— عیسائی مذہب کے لوگ دو فی صد سے کم ہونے کے باوجود مکمل طور پر آزاد ہیں،

تمام طرح کی پابندیوں سے محفوظ ہیں۔

لیکن مسلمان ایسا کیوں نہیں کرپاتے ہیں۔کچھ روشن خیال یہ کہہ دیتے ہیں کہ مسلمان بن کر اس ملک میں کچھ کرنا ناممکن ہے۔مگر سوال یہ ہے کہ کیا کبھی ہم نے ایسی کوششیں کی ہیں۔ہم نے اپنے مطالبات کی خاطر کسی ریلوے ٹریک کو جام کیا ہے، اپنے مسائل کے حل کے لیے کوئی روڈ جام کیا ہے، اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے ملی سطح پر کہیں کوئی بھوک ہڑتال کیا ہے۔جواب شاید نفی میں ملے گا۔ممکن ہے کچھ لوگ یہ کہیں کہ اگر گوجر اور پٹیل برادری کی طرح مسلمانوں نے ریلوے ٹریک کو جام کیا یا کہیں بڑے پیمانہ پر دھرنا دیا تو ان پر گولیاں چلادی جائیں گے۔لا اینڈ آڈر کا بہانہ بنا کر یک طرفہ مسلمانوں کو موت کی نیند سلادیا جائے گا؛ ہاں! مجھے معلوم ہے گولیاں چلادی جائیں گی، خون سے ہولی کھیلی جائے گی؛ لیکن میرا ماننا ہے کہ یہ اس موت سے بہتر ہے جو ہمیں ہمارے گھروں کے اندر دی جائے گی۔ہمارے دشمن بستروں سے گھسیٹ کر ہمیں قتل کریں گے۔ہماری اولاد پر جان لیوا حملہ کریں گے۔ماں اور بہنوں کی عفت وعصمت تار تار کریں گے۔انفرادی طور پر اس طرح کی موت سے بہتر تو یہی ہے کہ ہم اپنے حقوق کی خاطر لڑتے ہوئے مارے جائیں، تاکہ تاریخ کے اوراق میں یہ لکھا جائے کہ سیکولر اور جمہوریت کے علم بردار ملک میں اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے والوں پر حکومت نے گولیاں چلادی۔انہیں ان کا حق دینے کے بجائے جمہوریت کا قتل عام کردیا گیا۔مسلمانوں نے اپنے حقوق کی خاطر سڑکوں پر اُتر کر احتجاج کیا تھا۔قوم کے ایک فرد کا قتل ان کے لیے پوری قوم کا قتل تھا۔ملت پر منڈلاتے خطرات کے دفاع کے لیے انہوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا تھا!۔

فی الوقت ہمیں یہ سوچنا ہے کہ عصر حاضر میں مسلمان کیا کریں تو اس سلسلے میں بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی علیہ الرحمہ نے چند سال قبل مسلمانان ہند کے تعلق سے کچھ جامع تجاویز پیش فرمائی تھیں، بہت بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض کو یہاں پیش کردیا جائے؟ ع:

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

حالات کے سدھارنے کے دو فارمولے اس وقت پیش نظر ہیں:

❶ ایک تو وہ کہ جس کا مطالبہ عرصے سے سنگھ پریوار مسلمانوں سے کررہا ہے، جس کے لیے کبھی تو بھارتیہ کرن کا نعرہ لگایا جاتا ہے اور کبھی قومی دھارے میں شمولیت کی بات کہی جاتی ہے، تو کبھی یکساں سول کوڈ کا قضیہ کھڑا کیا جاتا ہے، اور کبھی محمدی ہندو کی اصطلاح بولی جاتی ہے۔

❷ اور دوسرا فارمولہ وہی ہے جس کی طرف مذکورہ بالا آیاتِ الٰہی میں اشارہ کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رجوع الی اللہ، اصلاحِ اعمال اور حالات کا مردانہ وار مقابلہ

حدیث بے خبراں ہے تو بازمانہ بساز
زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز

جہاں تک پہلے فارمولے کا تعلق ہے تو عوام کا حافظہ کمزور ہوتا ہے؛ ورنہ آزادی ہند کی تاریخ ہی شہادت دیتی ہے کہ ہندستانی مسلمان صدق دل سے ایک بار اِس فارمولے پر عمل پیرا ہوچکے ہیں اور یہ فارمولہ بری طرح ناکام ہوچکا ہے۔متعدّد ہندوانہ مراسم قبول کرلینے کے بعد بھی مسلم اقلیت کی جاں بخشی نہ ہوئی، مظالم میں کوئی کمی نہ ہوئی جس کا نتیجہ تقسیم ہند تک دراز ہوا۔

چنانچہ خلافت کمیٹی کے عہد شباب اور سمپورنانند کے زمانے کی ایک رپورٹ ہے۔اس وقت محض برائے نام مسلمان لیڈر اور مولویوں نے ایک سے ایک جدید فرقہ بنایا ہے، ان کے متعلق اب تک اخبارات اور رسائل اشتہارات ومشاہدات ومسموعات سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوئے ہیں:

❶ مسجد میں منبر پر ہندوؤں سے لیکچر دلوائے گئے۔

❷ بعض لیڈروں نے جن کو مولوی کا بھی خطاب دے دیا گیا ہے اپنے ماتھوں پر ہندوؤں سے ٹیکے لگوائے ہیں اور کہتے ہیں قشقہ شعارِ کفر ومنافی اسلام نہیں۔

❸ پارٹی مذکور کے اس مولانا نے ہمدم لکھنو میں چھاپ دیا ہے کہ ہماری جماعت ایک ایسا مذہب بنانے کی فکر میں ہے جو ہندو مسلم کا امتیاز اُٹھا دے گا اور سنگم وپریاگ کو مقدس مقام بنادے گا۔

❹ پارٹی کے اس مولانا مذکور نے شائع کیا کہ اگر آج تم نے ہندو بھائی کو راضی کرلیا تو اپنے خدا کو راضی کروگے۔

❺ ایک ہندو کی ٹٹی [ٹٹر] اپنے کاندھوں پر اُٹھا کر اس کی جے پکارتے ہوئے مرگھٹ تک لے گئے۔

❻ ایک بت اُٹھایا گیا اس کے ساتھ سروپا برہنہ جے پکارتے ہوئے سڑکوں پر گشت کیا گیا۔

❼ مرنے والے کے ماتم میں سروپا برہنہ مسجد میں جمع ہوئے، اس کے لیے دعاے مغفرت اور نماز کے لیے اشتہار دیے اور اس پر کاربند ہوئے، اس کے ماتم میں مسجدیں بے چراغ رکھی گئیں۔

⑧ایک لیڈر کے حکم سے ایک ڈولا سجایا گیا، اس میں قرآن مجید، بائبل، اور رامائن رکھ کران کی پوجا کراتے مندر میں لے گئے۔

⑨مشرکین کے ساتھ مواخات وموالات [یعنی رشتہ محبت وبھائی چارگی] قائم کرکے بعض شعار کفر اختیار اور بعض شعار اسلام چھوڑے گئے۔ [ملخصًا][فتاویٰ رضویہ، جلد ششم صفحہ:۸۳،۸۲،از اعلیٰ حضرت۔ النور مصنفہ مولانا سید سلیمان اشرف پروفیسر مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ]

پس جب یہ نسخہ ایک بار آزمایا جا چکا ہے اور اس کا کوئی فائدہ مسلم اقلیت کو حاصل نہ ہوسکا تو اب دوبارہ اسی کو آزمانا عبث اور لاحاصل ہے۔

من جرب المجرب حلت له الندامة.

یعنی آزمائے ہوئے کو آزمانا باعث ندامت وشرمندگی ہے۔

مسلمانوں کے لیے موجودہ صورت حال میں صرف وہی قرآنی نسخہ مفید ہے جس کی طرف سطورِ بالا میں اشارہ کیا گیا۔ رجوع الی اللہ، اصلاحِ اعمال، عزم واستقلال کے ساتھ حوادث سے مقابلے کا حوصلہ اور ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسا

ایں نمی گویم کہ ترکِ کار کن　　　　کار کن و تکیہ بر جبار کن

یعنی میں نہیں کہتا کہ کام چھوڑ کر بیٹھ رہو، بلکہ کام کرو؛ مگر بھروسا خدائے جبار پر رکھو۔

حوادث سے مقابلہ کی تدبیروں کی یک گونہ تفصیل ضروری ہے۔

①اسلامی وقومی بینک کاری، جس کی تفصیلات علمائے کرام اور ماہرین اقتصادیات کے اشتراک سے طے کی جائیں۔ جس کے ذریعہ اپنی کوتاہیوں کا اِزالہ ہو۔ مثلاً اگر مسلمان قوم جدید تعلیم میں بہت پچھڑی ہوئی ہے تو اس کی اصلاح کے لیے جگہ جگہ تعلیمی اِدارے قائم کیے جائیں اور مسلمانوں کے لیے تو بڑی آسانی یہ ہے کہ ان کے دینی تعلیمی اِدارے ہر جگہ کامیابی سے چل رہے ہیں، وہی اپنے وسائل سے دینی تعلیم کے ساتھ دنیاوی تعلیم کا انتظام کریں۔ یا اس کے لیے علاحدہ مسلم اِدارے قائم کریں۔ اگر مسلمانوں کی اِقتصادی حالت ردی ہے تو قومی سرمایہ سے ذی صلاحیت لوگوں کو قرضے دیے جائیں۔ یوں ہی دیگر کمیوں کے سلسلے میں بھی غور وفکر کے بعد لائحہ عمل مرتب کیا جاسکتا ہے۔

②مسلم کش فسادات کی مضرتوں سے قوم کو محفوظ رکھنے کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات مفید ہوں گے:

[الف] اکثریت کے دل ودماغ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو شکوک وشبہات پیدا کردیے گئے ہیں ان کے اِزالے کے لیے ہندی زبان میں ایسے لٹریچر کی تیاری جن سے وہ شکوک وشبہات دور ہوسکیں؛ کیوں کہ ہندوستان میں کثیر تعداد ایسے صلح پسند ہندو حضرات کی ہے جو بھارت کو بہت ساری قوموں، مذہبی اکائیوں اور جاتیوں کی آبادی تصور کرتے ہیں، اور اسی رنگارنگی کو بھارت کی شوبھا قرار دیتے ہیں۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو وقتی طور پر بھڑکاوے میں آجاتے ہیں، ان کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ مسلم قوم آپ کی ایک اچھی ہم سایہ اور ہم وطن جماعت ہے۔

[ب] بھارت کے مسلسل مسلم کش فسادات میں یہ بات بالکل کھل کر سامنے آگئی ہے کہ ان میں نقصانات سب سے زیادہ ان لوگوں کے ہوئے ہیں جو مسلم آبادیوں سے دور یا دو چار کی تعداد میں بالکل الگ تھلگ پڑے ہوتے ہیں؛ اس لیے ایسے لوگوں کو ایسے مخدوش علاقوں سے نقل مکانی کرکے مسلم آبادی والے علاقوں میں بس جانا چاہیے۔ یہ بات نہ تو بھارت کے قانون کے خلاف ہے، نہ معاشرتی لحاظ سے غیر مناسب، نہ ہندو دھرم کے خلاف ہے، نہ اسلام نے اس سے منع کیا ہے۔

قانونی پوزیشن تو یہ ہے کہ بھارت کا ہر شہری ملک کے جس علاقے میں چاہے اپنی سہولت کے لحاظ سے بود وباش اِختیار کرسکتا ہے اور جس خطے میں اس کے لیے آسانی ہو اپنی روزی فراہم کرسکتا ہے۔ معاشرتی حیثیت یہ ہے کہ آج بھارت کی ہر چھوٹی بڑی آبادی میں مختلف قومیتوں، مذہبی اکائیوں، مختلف برادریوں اور پیشہ وروں کی ایک جاتی آبادیاں ملیں گی؛ کیوں کہ معاشرتی لحاظ سے ہر شخص اپنے مناسب ماحول میں ہی زندگی گزارنا ضروری سمجھتا ہے۔

ہندو مذہب کے اعتبار سے یوں کہ اس میں چھوت چھات کی جو مذہبی بندشیں ہیں اس کو دیکھتے ہوئے یہی زیادہ آسان ہے کہ سب الگ الگ ہی رہیں۔ رہ گیا اسلام تو اس کا فرمان ہے:

قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ [نساء:۹۷]

عزت وآبرو اور دین ودنیا کے ساتھ کہیں قیام ممکن نہ ہو تو ایسی جگہ منتقل ہوجاؤ جہاں اس کا خطرہ نہ ہو۔

ایک محلے میں خطرہ ہو تو ایسے محلے میں چلے جاؤ جہاں محفوظ رہو اور ایک شہر میں حفاظت نہ ہو تو ایسے شہر میں چلے جاؤ جہاں جان ومال محفوظ ہوں۔ بلکہ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ فسادات کے وقت عوام بطور خود اور کبھی عوام اور گورنمنٹ دونوں مل کر مخدوش علاقوں سے لوگوں کو نکال کر محفوظ علاقوں میں پہنچاتے ہیں۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ جو کام وقتاً فوقتاً مجبوراً کرنا پڑتا

ہے، مسلمان پہلے ہی سے کہیں سکونت اختیار کرنے میں دوسری ترجیحات کے ساتھ جان ومال، عزت وآبرو کی حفاظت کو بھی ایک ترجیحی ضرورت کیوں نہ قرار دیں!۔

یہاں ایک سوال کیا جاتا ہے کہ اس طرح مسلمانوں کو تو ایک محفوظ پاکٹ مل جاتا ہے؛ لیکن ان غیر مسلموں کا کیا ہوگا جو اِکا دکا ان محفوظ علاقوں میں آباد ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے بے گناہوں سے انتقام لینا جو فساد میں ملوث نہ ہوں نہایت درجہ کی بزدلی، کم ہمتی اور کمینگی ہے۔ ایسے علاقوں کو عملاً ایسا ہی بنانا ہوگا کہ وہاں کا ہر باشندہ اپنی جان ومال، عزت وآبرو کی طرف سے بے خوف ہو اور اس میں مذہب وملت کی کوئی تفریق نہ ہو۔

[ج] ان بھیانک فسادوں میں یہ تجربہ بھی ہوا ہے کہ ہر جگہ مسلم محلوں کے اندر گھس کر ان کی تباہی وبربادی کا زور کرفیو کے درمیان ہوتا ہے کہ فسادی کرفیو کی چھتر چھایا میں مسلم محلوں میں اندر بہت دور تک ظلم وبربریت کا ننگا ناچ ناچتے ہیں۔ سنا ہے کہ ان سے بچنے کے لیے مختلف شہروں میں اقلیتوں نے اپنی گلیوں میں بڑے بڑے آہنی پھاٹک لگوا لیے ہیں جنھیں وقت ضرورت بند کیا جا سکے۔

ہم اس کی بھی تائید کرتے ہیں کہ یہ اور اس قسم کی حفاظتی تدابیر قبل از وقت ہی مکمل رہنی چاہئیں۔ خدانخواستہ کبھی فساد کا موقع آئے تو نقصانات کم سے کم ہوں۔

[د] فسادات کے دوران اسپتالوں میں مسلم مریضوں سے بے توجہی اور سوتیلے پن کا برتاو ہوتا ہے۔ اس کے لیے آئینی طور پر جدو جہد کرنی چاہیے اور اس قسم کے محفوظ علاقوں میں اعلیٰ قسم کے قومی اسپتال بھی ہونے چاہئیں تاکہ ہنگامی دور میں مریض غلط برتاؤ کا شکار نہ ہو سکے۔ آخر وقت پڑنے پر پرائیوٹ ذرائع سے اس قسم کی ضرورتیں پوری کی جاتی ہیں تو وقت سے پہلے ایسے انتظام میں کیا حرج ہے!۔

[۳] ان علاقوں میں ضروریاتِ زندگی کے مختلف مراکز قائم کیے جائیں جو فساد اور امن دونوں ہی زمانوں میں بلا امتیاز مذہب وملت سب کی ضرورتوں کی اشیا فراہم کریں۔

[۴] ہر جگہ جوانوں پر مشتمل ورزشی دستے ترتیب دیے جائیں جو پریڈ اور مشق کریں کہ دفاع بلکہ جان بچا کر بھاگنے کے لیے صحت اور توانائی بے حد ضروری ہے۔

غور وفکر کرنے سے اس قسم کے اور آئیٹم بھی نکل سکتے ہیں۔ ان سب پر کام کرنے اور ان کے لیے ذرائع فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔

مذکورہ بالا پہلوؤں پر مقامی طور سے تھوڑا تھوڑا کام جگہ جگہ ہوا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ پوری منصوبہ بندی اور تن دہی سے یہ امور انجام دیے جائیں۔ کیوں کہ ابتدا میں ایسا خیال ہوتا تھا کہ فرقہ پرستی کا جنون ایک مرض ہے جس سے تھوڑی ہی دنوں میں بھارت کو نجات ملے گی اور امن وصلح کا سویرا جگمگائے گا؛ لیکن اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ پرستی اب بہت سارے لوگوں کی خمیر میں داخل ہوگئی ہے؛ اس لیے اس کی مضرتوں سے حفاظت کی تدبیر بھی مستقل اور ہندوستان گیر ہونی چاہیے۔

اخیر میں علامہ ہی کے اِس شعر پر اپنی بات ختم کر رہا ہوں کہ

کب تلک طور پہ دریوزہ گری مثلِ کلیم
اپنی ہستی سے عیاں شعلہ سینائی کر

ہو تری خاک کے ہر ذرے سے تعمیر حرم
دل کو بیگانۂ اندازِ کلیسائی کر

اس وقت صحیح معنوں میں اُمت مسلمہ کا بکھرتا ہوا شیرازہ شدت سے کسی ایسے خدا آگاہ وملت شناس قائد ومسیحا کی تلاش میں ہے جو اس کی بچی کھچی توانائیوں کو بروے کار لا کر اسے مزید حالاتِ زبوں میں گرنے سے بچائے اور سیاسی وجماعتی حکمت عملی کا بھرپور مظاہرہ کرکے اُمت مسلمہ کو تابندہ مستقبل کا نوید سنائے۔ اخیر میں مکین گنبد خضرا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عاجزانہ درخواست ہے کہ؛

یارسول اللہ! آپ کا ایک عاشق مفلوج ہوا اور اس نے خواب میں ''قصیدۂ بردہ'' کی سوغات بارگاہِ رسالت میں پیش کی تو آپ نے خوش ہو کر اپنی چادر مبارک اُسے عنایت فرما دی جس سے اُس کی فالج کا اَثر کلیتاً جاتا رہا اور وہ پہلے سے بھی زیادہ بھلا چنگا ہو گیا۔ یارسول اللہ! آج پوری اُمت مسلمہ مفلوج وبے ردا ہو چکی ہے، اُس کی عزت وناموس پر بن آئی ہے، مسلم حکمرانوں نے اپنی غیرت وحمیت کا سودا کر لیا ہے، شام وعراق کی سرزمین لہولہان ہے، فلسطین و برما وکشمیر کے مسلمانوں پر ظلم وتشدد کا ہر وار آزمایا جا رہا ہے۔ اور کوئی وقت جاتا ہے کہ اسلامیانِ ہند پر بھی قیامت ٹوٹنے والی ہے۔ یارسول اللہ! ''بردہ'' سا قصیدہ تو اَب شاید ہی کوئی نظم کر سکے، لیکن مفلوج اُمت مسلمہ کا بے ردا جسم ہر آن آپ کی چادر مبارک کی راہیں تک رہا ہے۔ اے مکین گنبد خضرا! اَب اپنے دست مبارک کے ایک لمس مسیحائی سے اُمت کی فالج وبرہنگی دور فرما کر اُسے بھلا چنگا کر دیجیے۔ ☆☆☆

نقطۂ نظر

مطالعہ ایک روحانی غذا

مولانا طفیل احمد مصباحی

زندگی، جسم اور روح کے مجموعے کا نام ہے۔ انسان کو زندہ رہنے اور زندگی گذارنے کے لیے غذاؤں کی ضرورت پڑتی ہے۔ زندگی کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک مادی زندگی، دوسری روحانی زندگی۔ جسمانی زندگی کے لیے مادّی غذا اور روحانی زندگی کے لیے روحانی غذا ضروری ہے۔ قرآن مقدس کی صراحت کے مطابق اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان و سکون کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب.

یہی وجہ ہے کہ علماء و مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے ذکر و اذکار اور اوراد و ظائف کو "روح کی غذا" کہا ہے اور یہ بات حق ہے۔ ذکر و فکر میں جو لذت اور روحانی سکون ملتا ہے، وہ آلاتِ لہو و لعب میں کہاں؟ جب بندہ زمین کی پستیوں میں اپنے رب کو یاد کرتا ہے تو اللہ رب العزت آسمان کی بلندیوں پر عرشیوں کے درمیان اس کا ذکر کرتا ہے۔ ذکر و اذکار کے علاوہ، عبادت و ریاضت، قرآن شریف کی تلاوت اور مجلسِ وعظ و تذکیر سے بھی روح کو غذا ملتی ہے۔ غرض کہ روح کی غذا کی متعدّد انواع و اقسام ہیں۔

اچھی کتابوں کا مطالعہ بھی روح کی غذا ہے۔ انسان کی تخلیق کا مقصد اللہ عزوجل کی عبادت ہے اور عبادت کا مقصد، تزکیۂ نفس، تطہیرِ باطن اور صفائیِ قلب ہے۔ مادی غذائیں کھانے اور لہو و لعب میں مبتلا ہونے کے بعد انسان کا جسم جب نڈھال اور پژ مردہ ہونے لگتا ہے تو روح اپنے غذا کا مطالبہ کرتی ہے اور جب روح کو مطلوبہ غذا مل جاتی ہے تو انسان [جو جسم اور روح کا مجموعہ ہے] کے ظاہر و باطن میں تازگی آجاتی ہے۔ اسے کیف و سرور ملنے لگتا ہے اور اس وقت اسے زندگی کا حقیقی لطف ملتا ہے۔

خیر الجلیس الکتاب

کتاب بہترین ساتھی ہے۔ کتاب کو جو بہترین ساتھی کہا گیا ہے، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ کتاب اور اس کا مطالعہ سچے دوست اور بہترین ساتھی ہیں۔ کتابیں سامنے ہوں، لیکن ان کا مطالعہ نہ کیا جائے تو پھر کتابیں کس کام کی؟

أعز مكان في الدنا سرج سابح
وخير جليس في الزمان كتاب

متنبی کے اس شعر سے ظاہر ہے کہ ایک بہادر اور مجاہد کے لیے سب سے بہتر ساتھی، تیز رفتار گھوڑا ہے اور ایک طالب علم کے لیے سب سے بہتر ساتھی کتاب ہے۔ کیوں کہ کتابیں ہی دنیا بھر کی معلومات کا بہترین ذریعہ ہیں۔ انبیاے کرام، بزرگان دین، علماے کرام کے حالات اور قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ ہمیں ان کتابوں سے معلوم ہوتی ہے۔ کتابیں، ہمیں قلبی سرور اور روحانی سکون بخشتی ہیں اور تنہائیوں کی رفیق بن کر ہم سے ہم کلام ہوتی ہیں۔ آدابِ زندگی اور طریقۂ بندگی سکھانے کے ساتھ ہمارے پست حوصلوں کو جوان کرتی ہیں، آسمانوں پر کمندیں ڈالنے کا ولولہ پیدا کرتی ہیں اور دنیا میں کچھ کرنے کا جذبہ بیدار کرتی ہیں۔ کتب و رسائل، علوم و فنون کی کنجی ہیں۔ یہ علوم و معارف کے بند دروازوں کو کھولتی ہیں اور اکتساب فیض کا موقع فراہم کرتی ہیں۔

ایک عرب عالم نے کیا ہی خوب کہا ہے:

لا ينمو الجسد إلا بالطعام والرياضة ولا ينمو العقل إلا بالمطالعة والتفكير.

یعنی جسم، غذا اور ریاضت [ورزش] سے نشو و نما پاتا ہے اور عقل، درس و مطالعہ اور غور و فکر سے پروان چڑھتی ہے۔ لہٰذا عقل کو پروان چڑھانے، فکر میں بالیدگی پیدا کرنے اور روح کو بیش قیمت غذا فراہم کرنے کے لیے مطالعہ ناگزیر ہے۔ مطالعے کا عادی انسان، کثرتِ کار، ہجومِ افکار اور دنیاوی مصائب و آلام میں لاکھ گھرا ہو، لیکن مطالعے کے لیے وہ وقت نکال ہی لیتا ہے اور مطالعے میں وہ کیف و سرور اور لطف و لذت پاتا ہے کہ دنیاوی مصائب کو بھول جاتا ہے۔ درس و مطالعہ کا ایک اہم اور صحت مند افادی پہلو یہ بھی ہے کہ اس سے وقت کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے اور انسان تضییعِ اوقات کی محرومیوں سے بچ جاتا ہے۔ تضییعِ اوقات، سب سے بڑی محرومی ہے اور درس و مطالعہ محرومیوں کے اس جال سے باہر نکلنے کا مؤثر ذریعہ اور کامیاب ترین راستہ ہے۔

علم نے اضطراب بخشا ہے!!!
کس قدر پُر سکوں تھی لاعلمی

مختلف علوم و فنون کا مطالعہ، بظاہر ایک اضطرابی عمل ہے، لیکن اس کے فوائد بے شمار ہیں۔ عصرِ حاضر کی ایجادات و اکتشافات اور سائنس دانوں کے نت نئے سائنسی کارنامے، یہ در اصل غور و فکر اور درس و مطالعہ کے نتائج و ثمرات ہیں۔

مطالعے کی غرض و غایت، علم کا حصول، معلومات میں اضافہ اور راہِ عمل کا تعیّن ہے۔ مطالعہ سے انسان کی شخصیت کا پتہ چلتا ہے اور اس کی وسعتِ ظرف کا اندازہ ہوتا ہے۔ الاناء یترشح مافیہ [برتن سے وہی ٹپکتا ہے، جو برتن میں ہوتا ہے]

آپ کا مطالعہ جتنا وسیع ہوگا، آپ کا زورِ استدلال، فکری توانائی اور قوّتِ تخلیق بھی اتنی ہی مضبوط و مستحکم ہوگی۔ آپ کی بات میں وزن اور آپ کے افکار و نظریات میں غیر معمولی قوت ہوگی۔ الفاظ کی بازی گری، پھکّڑپن اور ہوائی فائرنگ کا زمانہ اب گزر گیا۔ اہلِ علم آج زورِ استدلال، قوّتِ اخذ و استنباط اور معانی کی گہرائیوں پر نظر رکھتے ہیں۔ ہر چیز کو علم و استدلال کی روشنی میں پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسی بات پر کان دھرتے ہیں، جن کا حقیقت سے مضبوط رشتہ ہوا کرتا ہے۔ ادّعائے محض اور پھسپھسی باتوں پر وہ کان تک نہیں دھرتے اور انہیں ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں۔

مطالعے کی اہمیت کے حوالے سے ایک مفکر کا قول ہے کہ:

کتابوں کا مطالعہ انسان کی شخصیت کو ارتقا کی بلند منزلوں تک پہنچانے کا اہم ذریعہ، حصولِ علم و معلومات کا وسیلہ، عملی تجرباتی سرمایہ کو ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کرنے اور انسانی ذہن و فکر کو روشنی فراہم کرنے کا معروف ذریعہ ہے۔

لہٰذا تعلیمی و تدریسی زندگی کے علاوہ عمومی حالت میں ہمیں کتابوں کا مطالعہ تسلسل کے ساتھ جاری رکھنا چاہیے، کیوں کہ کتب و رسائل کے گہرے مطالعے سے جہاں ہمارے علم و معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، وہیں فکر و شعور میں بالیدگی، عزائم میں پختگی، طبیعت میں کیف و نشاط اور ذہن و دماغ میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔

خالقِ کائنات نے انسان کو عقل جیسی ہمہ گیر طاقت و قوت اور فکر و شعور جیسی بیش قیمت دولت سے نوازا ہے۔ دنیا کی ساری نیرنگیاں اور ایجادات و اکتشافات کی محیر العقول دل فریبیاں، عقل و شعور کے صحیح استعمال کا نتیجہ ہیں۔ عقل کو نتیجہ خیز بنانے اور فکری ارتقا کو منتہائے کمال تک پہنچانے میں مطالعۂ کتب، بنیادی کردار ادا کرتے ہیں، اسی طرح روحانی ارتقا کے لے مطالعہ ایک جزو لاینفک کی حیثیت رکھتا ہے۔ اوپر بیان ہوا کہ "جس طرح جسم کے لیے غذا ضروری ہے، اسی طرح روح کے لیے بھی غذا ضروری ہے اور ذکرِ الٰہی کے مطالعہ بھی روح کی غذا ہے"۔

اور آپ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ غذا کے بغیر جسم لاغر اور کمزور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مطالعہ کے بغیر عقل و شعور میں اضمحلال اور کمزوری آجاتی ہے اور فکری ارتقاء جمود و تعطّل کا شکار ہو جاتا ہے۔

حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کے بقول:

"چاہے وہ دین کا کام ہو یا دنیا کا، یہ اچھی صحت پر موقوف ہے"۔ جان ہے تو جہان ہے اور صحت ہے تو سب کچھ ہے۔ دماغی صحت کے بغیر ایک مکمل صحت مند زندگی کا تصور ممکن نہیں۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں جہاں ہر شعبۂ حیات میں ترقی کے مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں، وہیں نت نئی بیماریاں بھی جنم لے چکی ہیں۔ نفسیاتی

امراض نے آج پوری دنیا کو اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے اور ماہرینِ طب و صحت ان کے تدارک کے لیے طرح طرح تجاویز اور فارمولے دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں، تاکہ نفسیاتی امراض کے عذاب سے بنی نوع انساں کو محفوظ رکھا جا سکے۔ دماغی اور نفسیاتی بیماریاں اکثر اوقات جسمانی امراض کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں اور متاثرہ افراد کی زندگی اجیرن بنا کر رکھ دیتی ہیں۔"

منشیات کا استعمال، دیر رات تک جاگنا، صبح دیر سے اٹھنا، میاں بیوی کے آپسی جھگڑے، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا ضرورت سے زیادہ استعمال، نفسیاتی امراض کے بنیادی اسباب ہیں اور ان کے خاتمے کے لیے ضروری ہے کہ اپنی زندگی سے ان امور کو بے دخل کر دیں اور مذکورہ قبیح عادات سے حتی الامکان پرہیز کریں۔

ماہرینِ نفسیات کے مطابق اچھی اور مفید کتابوں کا مطالعہ انسان کو ان امراض سے نجات دلا سکتا ہے۔ اچھی اور مفید کتابوں کے مطالعے سے انسان کی زندگی میں سکون اور اطمینان جیسی اعلیٰ صفات پیدا ہوتی ہیں، جو نفسیاتی امراض سے لڑنے اور بہت حد تک ان کے ازالے میں موثر کردار ادا کرتے ہیں۔

مطالعہ سے علم اور معلومات میں مسلسل اضافہ ہوتا ہے۔ گذشتہ قوموں کی تہذیب و ثقافت کا پتہ چلتا ہے۔ آج کا انسان گزشتہ کئی صدیوں کو مطالعہ کی کھڑکی سے گویا جھانکتا ہے اور قوموں کی عروج و زوال کی داستان کا گہرائی سے مطالعہ کر کے عروج کے اسباب پر کاربند اور زوال کے عوامل سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہم مطالعہ کی مدد سے ہزار، دو ہزار سال قبل فوت ہونے والی عظیم شخصیات سے باتیں کرتے ہیں اور یہ مطالعہ ہی کی دین ہے کہ بعدِ زمانی کے باجود ہم قدیم مصنفین کی بارگاہوں میں حاضری دے کر ان کے علم کے سمندر سے موتیاں چنتے ہیں اور ان کے وسیع تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

مطالعہ ہمیں تضییعِ اوقات اور بُروں کی صحبت سے بچاتا ہے۔ مشہور کہاوت ہے:

"جیسی سنگت، ویسی رنگت"

اچھے دوستوں کی اچھی صحبت کسی نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ اچھوں کی صحبت انسان کو اچھا بناتی ہے اور بُروں کی صحبت اخلاق و عادات پر منفی اثرات ڈالتی ہے۔ مطالعہ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے انسان برے لوگوں کی صحبت سے بچ جاتا ہے۔ اوباش، نکمے اور برے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے سے بدرجہا بہتر ہے کہ کتابوں کی صحبت اختیار کی جائے اور ان سے دوستی کی جائے۔ کتاب جیسا سچا اور مخلص دوست انسان کو زندگی کے کسی موڑ پر کبھی ذلیل اور رسوا نہیں ہونے دیتا، بلکہ اس کی عزت اور قدر و منزلت میں اضافہ کرتا ہے۔ مطالعہ کرنے والوں کی اصلاح کرتا ہے۔ ان کے اخلاق و عادات کو سدھارتا ہے اور معاشرے میں کامیابی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا ہنر سکھاتا ہے۔

ہر انسان کو مطالعہ کی اشد ضرورت ہے۔ کوئی بھی شخص مطالعہ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ جو جتنا بڑا عالم ہوتا ہے، وہ اتنا ہی زیادہ مطالعہ کرتا ہے اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر کتابوں کی دنیا میں کھویا رہتا ہے اور مطالعہ کی کی حیات بخش لذتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ مطالعہ ایک قسم کا جنون ہے، جس کو اس کی عادت یا بلفظِ دیگر چاٹ لگ جاتی ہے، وہ آخری دم تک اس زلفِ جاناں کا اسیر بن جاتا ہے۔ وہ کتابوں سے محبت کرتا ہے۔ مطالعہ کو اپنا محبوب و مطلوب سمجھ کر اس کے ارد گرد منڈلاتا پھرتا ہے۔

ہمارے بہت سارے اکابر علماء و مشائخ کا یہ معمول رہا کہ وہ رات کو تین حصوں میں بانٹ دیتے۔ ایک حصے میں آرام کرتے، ایک حصہ عبادت میں گذارتے اور رات کا ایک حصہ مطالعۂ کتب میں بسر کرتے۔ اپنے وقت کے مشہور عالم و مؤرخ علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ "میری پوری زندگی میں صرف دو رات ایسی گزری، جس میں مطالعے سے میں محروم رہا۔ ایک: میری شادی کی پہلی رات اور دوسری وہ رات جس میں میرے والد کا انتقال ہوا۔"

مولانا ابوالکلام آزاد نے "غبارِ خاطر" میں ایک جگہ لکھا ہے:

بچپن سے ہی یہ چٹیک سی لگ گئی تھی کہ فراغت ہو، کتاب ہو اور باغ کا کوئی پر سکون کونا۔ پھر وہاں بیٹھے گھنٹوں مطالعہ کرتا رہوں۔

عرب کے مشہور عالم و ادیب ڈاکٹر عائض القرنی کے بقول:

میرے پاس سینکڑوں لوگ آتے ہیں اور ان کے لبوں پر ایک ہی سوال ہوتا ہے کہ ہم کیسے عمدہ قلم کار بن سکتے ہیں ؟ میری طرف سے ان تمام سوالات کا ایک ہی جواب ہوتا ہے کہ یہ ایک دن کا کام نہیں ۔ یہ ایک سفر ہے جو کتاب سے شروع ہوتا ہے اور جب تک کتاب سے رشتہ جڑا رہتا ہے، یہ سفر جاری رہتا ہے ۔ ایک کامیاب مصنف اور قلم کار بننے کے لیے کتابوں کا خوب خوب مطالعہ کرنا چاہیے۔

سید سلیمان ندوی کہا کرتے تھے کہ " ایک صفحہ کا مضمون لکھنے سے پہلے سو صفحات مطالعہ کرنا چاہیے ۔ ایک صفحے کا جو مضمون ، سو صفحات مطالعہ کیے بغیر لکھا جائے ، وہ پڑھے جانے کے لائق نہیں ہے "۔

ایک مصنف اور قلم کار کے لیے مطالعہ گویا ''آکسیجن '' کی طرح ضروری ہے ۔ تحریر میں معنویت ، تہ داری اور چاشنی گہرے مطالعے کے بغیر نہیں آتی ۔ مدارس اور دیگر تعلیمی اداروں میں رائج نصابی کتب پڑھنے لینے کے بعد انسان متعلقہ علوم و فنون میں ماہر اور کامل و اکمل نہیں بن جاتا ، مہارت تو اس کے بہت بعد مسلسل درس و مطالعہ سے پیدا ہوتی ہے ۔ غرض کہ ہر جہت سے مطالعہ کی اہمیت و افادیت مسلّم ہے ، کیوں کہ مطالعہ ، تعمیر و ترقی کا ذریعہ ، روح کی غذا اور علمی پیاس بجھانے کے لیے ''آب حیات '' کا درجہ رکھتا ہے۔

راقم کے بعض اساتذہ نے مطالعہ کا مفہوم یوں بیان کیا ہے ، جو بہت حد تک جامع ہے :

المطالعہ : ھو الاطلاع علی ما اراد المصنف.

کتاب کے مصنف کے معنیٰ مراد تک پہنچنے کا نام مطالعہ ہے ۔ یعنی دیگر کاموں کی طرح مطالعہ بھی غور و فکر کے ساتھ ہونا چاہیے اور ہمیں سرسری طریقے سے نہیں بلکہ کامل توجہ اور پوری گہرائی کے ساتھ کسی بھی کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے ۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہمیشہ مطالعہ ہی میں خود کو مصروف رکھا جائے ۔ مطالعہ کم ہو ، لیکن روزانہ ہو اور پوری پابندی کے ساتھ ہو ۔ یہ نہیں کہ آج جذبات میں آکر پچاس یا سو صفحات پڑھ ڈالے اور کل سے ایک صفحہ بھی نہیں ۔ مطالعے کو اپنی زندگی کا معمول اور روٹین بنالیں اور ہر دن پانچ ، دس یا بیس صفحہ ضرور مطالعہ کریں ، اس عمل سے آپ اپنے اندر ضرور تبدیلی محسوس کریں گے ۔ قلبی سکون اور دماغی تازگی کے ساتھ آپ کے سامنے نت نئی معلومات کا ایک '' آئینۂ جہاں نما '' ہوگا۔

اگر ممکن ہو اور وقت اجازت دے تو زیرِ مطالعہ کتابوں کے اہم نکات اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیا کریں ، یہ پوائنٹس آگے چل کر بہت کام آئیں گے ۔ عربی کی ایک کہاوت ہے : العلم صید و الکتابۃ قید . علم ، شکار ہے اور کتابت [لکھنا] اس شکار کے لیے قید ہے ۔ کوئی بھی چیز لکھ لینے سے وہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جایا کرتی ہے ۔ خود بھی مطالعہ کریں اور اپنے بال بچوں کو بھی مطالعہ کا عادی بنائیں ۔ گھر میں اچھی اچھی کتابیں لاکر رکھیں ۔ میگزین اور رسالے منگوائیں ۔ خود بھی پڑھیں اور بچوں کو بھی اس کی ترغیب دیں ۔ مطالعہ کے لیے ایک وقت متعیّن کرلیں ۔ رات کی تنہائی اور صبح کا وقت مطالعہ کے لیے بڑا مناسب ہوا کرتا ہے ۔ اگر رات میں نیند نہ آتی ہو اور آپ کو بے خوابی کا مرض لاحق ہو تو اس کے لیے مطالعہ کا نسخہ اپنائیں ۔ کتابیں پڑھتے پڑھتے ، کب نیند آجائے گی ، آپ کو پتہ بھی نہیں چلے گا ۔ ہمیشہ اچھی کتابوں کا مطالعہ کریں ۔ انبیاے کرام ، صحابہ و تابعین اور بزرگان دین کی حالات زندگی پر مشتمل کتابیں خصوصی طور پر مطالعہ میں رکھیں ۔ سیرت طیبہ اور تاریخ و تذکرہ کے علاوہ قرآن و تفسیر اور حدیث و فقہ کی کتابوں کو بھی اپنے مطالعے کا حصہ بنائیں ۔ ہم اس مذہب کے ماننے والے ہیں جس کے نبی پہلی وحی لفظ ''اقرا'' سے ہوئی ہے ۔ جب تک ہم نے کتابوں سے اپنا رشتہ مضبوط رکھا اور تعلیمی میدان میں پیش پیش رہے ، دنیا کی امامت و حکومت ہمارے ہاتھوں میں رہی ۔ اور جب سے ہم نے تعلیم سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا اور درس و مطالعہ سے دوری اختیار کر لی ، ذلت و پستی کی گہری کھائی میں دن بدن دھنستے چلے گئے ۔ یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آج کا ہمارا نوجوان طبقہ درس و مطالعہ کے بجائے اپنا قیمتی وقت موبائل اور انٹرنیٹ پر صرف کرتا ہے ۔ اس افسوسناک رویّہ میں ہمیں تبدیلی لانے اور مطالعہ کو اپنی زندگی کا ایک لازمی حصہ بنانے کی ضرورت ہے ۔ ☆☆☆

آفتابِ قدس نکلا نور برساتا ہوا

مولانا مبارک حسین مصباحی: چیف ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور

سرور کونین ﷺ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ اپنے خاندان میں سب سے زیادہ وجیہ وشکیل تھے، ایک دن وہ اپنے والد حضرت عبدالمطلب کے ساتھ مکے کی شاہ راہ سے گزر رہے تھے۔ سر راہ بنو سعد کی ایک دوشیزہ کھڑی تھی، جسے قبیلۂ بنو سعد میں ملکۂ حسن کہا جاتا تھا۔ یہ جواں سال دوشیزہ اپنی سحر طراز جلوہ سامانیوں کے لیے بھی عربوں میں مشہور تھی۔ اس پیکرِ جمال کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے مردانِ عرب سراپا شوق رہتے تھے۔ اس زہرہ جمال دوشیزہ کی نظر جب حضرت عبد اللہ کی نورانی پیشانی پر پڑی تو بے خود ہوگئی۔ دوشیزگی کی تمام تر خودداریوں کے باوجود دل کا مدعا زبان پر آہی گیا۔ حضرت عبد اللہ سے مخاطب ہوکر کہا: اے عبد اللہ! کہاں جا رہے ہو؟ اگر تم اس وقت میرے ساتھ چند لمحے خلوت کے گزار لو تو میں تمھیں سو اونٹ پیش کروں گی، اس کے علاوہ جو تم چاہوگے پیش کر دیا جائے گا۔ حضرت عبد اللہ نے اس وقت یہ کہہ کر دامن چھڑا لیا، اس وقت میں اپنے پدرِ بزرگوار کے ساتھ ہوں، اس لیے سر دست میرا کہیں جانا ممکن نہیں۔

حضرت عبد المطلب ایک حسّاس اور دور اندیش بزرگ تھے۔ انھوں نے گھر کا راستہ بدل کر وہب بن عبد مناف کے گھر کا رخ کر دیا۔ ابتدائی گفتگو کے بعد حضرت عبد المطلب نے انھیں ان کی پاک باز بیٹی سیدہ آمنہ کے لیے رشتہ کا پیغام دیا۔ حضرت عبد اللہ جیسے اعلیٰ خاندان کے شکیلِ رعنا سے رشتہ بھلا کون ٹھکرا سکتا تھا۔ جب معاملات طے ہوگئے تو آپ نے اسی وقت حضرت عبد اللہ کا نکاح سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کر دیا اور اسی دن رخصتی بھی ہوگئی۔ سیرت نگار حضرت ابن اسحاق فرماتے ہیں: ''سیدہ آمنہ بنو زہرہ کی حسین ترین خواتین میں سے تھیں۔ فہم و خرد، جاہ و جلال اور حسن و جمال میں اس قبیلے میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ خاندانی اعتبار سے بھی انھیں قدر و منزلت حاصل تھی۔'' پہلی ہی شب میں وہ نورِ محمدی ﷺ جو حضرت عبد اللہ کی پیشانی میں چمک رہا تھا، حضرت آمنہ کے رحم مبارک میں منتقل ہوگیا۔ دوسرے دن کچھ وقت نکال کر حضرت عبد اللہ قبیلۂ بنو سعد کی اس دوشیزہ کے گھر پہنچے تو اس نے خلافِ توقع کوئی توجہ نہیں کی۔ کل تک جو خاتون چند لمحوں کی خلوت کے لیے سو اونٹ اور منہ مانگے تحفے دینے کے لیے بے چین تھی، آج بات کرنے کی بھی روادار نہیں تھی۔ جب حضرت عبد اللہ نے اس بے التفاتی کی وجہ دریافت کی تو بہ روایتِ ابنِ اسحاق اس کا جواب یہ تھا: ''کل میں اس نورِ جہاں تاب پر عاشق ہوگئی تھی جو تمھاری بلند اقبال پیشانی میں چمک رہا تھا مگر اب وہ میری آنکھوں کو نظر نہیں آرہا ہے۔ شاید تم رات کہیں اور گزار کر آئے ہو، اب وہ نور کہیں اور منتقل ہوگیا۔''

حضرت ابنِ عباس روایت فرماتے ہیں: جب نورِ محمدی ﷺ حضرت عبد اللہ کی جبینِ سعادت سے منتقل ہوکر حضرت آمنہ کے شکم طاہر میں قرار پذیر ہوا تو قریش کے تمام جانوروں کو قوتِ گویائی مل گئی اور وہ باہم یہ مژدہ سنا رہے تھے کہ محمد ﷺ ماں کے پیٹ میں منتقل ہوگئے۔ کعب الاحبار کی روایت ہے کہ اس رات بساطِ ارض کے کناروں سے لے کر آسمان کی طنابوں تک یہ صدائے دل نواز گونج اٹھی تھی کہ نورِ محمدی شکمِ مادر میں منتقل ہوگیا۔ اے آمنہ! مبارک ہو۔ اصنامِ باطل سر نگوں ہوگئے۔ ان دنوں قریش سخت قحط کے دور سے گزر رہے تھے، نانِ شبینہ تک کے لالے پڑے ہوئے تھے، یکایک کھیتیاں ہری بھری ہوگئیں، درختوں پر پھلوں کی بہار آگئی، قبیلۂ قریش کے پاس ہر طرف سے تحفے اور نذرانے آنے لگے۔ نورِ محمدی کی برکت سے یہ سال تاریخ میں فرحت و خوش حالی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت آمنہ کے ایامِ حمل کی کیفیت بھی عام خواتین سے بالکل منفرد تھی۔ آپ خود فرماتی ہیں: مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ میں حاملہ ہو گئی ہوں۔ نہ مجھے کوئی بوجھ محسوس ہوا، جوان حالات میں دوسری عورتوں کو محسوس ہوتا ہے، مجھے صرف اتنا معلوم ہوا کہ میرے ایامِ ماہ واری بند ہو گئے ہیں۔ ایک روز میں خواب اور بیداری کے بین بین تھی کہ کوئی آنے والا میرے پاس آیا اور اس نے پوچھا: اے آمنہ! کیا تمھیں اپنے حاملہ ہونے کا علم ہے؟ میں نے جواب دیا: نہیں۔ پھر اس نے بتایا تم حاملہ ہو اور تمھارے بطن میں اس وقت امت کا سردار اور نبی تشریف فرما ہے۔ [الوفا، ابن جوزی، ج:۱، ص:۸۸]

ابنِ اسحاق اپنی سیرت میں حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ "حمل قرار پانے کے بعد ایک غیبی آواز میرے کانوں میں آئی، اے آمنہ! تمھیں معلوم ہے کہ تمھارے حمل میں کون سی شخصیت ہے؟ یہ نبیِ آخرالزماں [صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم] ہیں۔ جب وضعِ حمل ہو تو اس وقت یہ دعا کرنا: اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد. اور اس ماہ تابِ نبوت کا نام محمد [صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم] رکھنا۔ حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ دورانِ حمل میں نے دیکھا کہ ایک نور میرے جسم سے نکلا جو سارے عالم کو محیط ہو گیا اور پھر اس کے بعد ایک نوری شعاع پھوٹی جس کی روشنی میں ملک شام کا شہر بصریٰ نظر آنے لگا۔

اب وہ دل افروز ساعت قریب آنے والی ہے جس کا انتظار صدیوں سے تھا۔ ربیع النور کا بہار افزا مہینہ شروع ہو چکا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ۱۲؍ ربیع الاول دوشنبہ کا دن آ گیا۔ آہستہ آہستہ شب کی سیاہی چھٹنے لگی۔ اب صبح صادق کی وہ پر نور گھڑی آ گئی، جب جواں سال بیوہ حضرت آمنہ کے حسرت و یاس میں ڈوبے ہوئے مکان میں ازلی سعادتوں اور ابدی مسرتوں کا نور چمکا۔ یہ یتیم درِ یتیم تھا، مگر یتیموں کا ماوا و ملجا بن کر آیا تھا۔ یہ حرماں نصیبوں کے لیے امید کی کرن بن کر نمودار ہوا تھا، یہ صدیوں سے ظلم و ستم کی چکی میں پستی ہوئی انسانیت کے لیے مژدۂ جاں فزا بن کر آیا تھا، یہ صنم پرستی کے عہد میں خدا پرستی کا پیغام بن کر آیا تھا، یہ ستم رانیوں کے دور میں رحمتِ دوعالم بن کر آیا تھا ؎

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

سیرت ابنِ اسحاق کی یہ روایت آج بھی آنکھوں کو نور اور دلوں کو قرار پہنچاتی ہے۔ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"جس شب محمد [صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم] کی ولادتِ باسعادت ہوئی، میں نے دیکھا کہ آسمان کے ستارے بارش کی طرح مجھ پر برسنے والے ہیں اور نبیِ پاک کے چہرۂ زیبا کے مشتاق ہیں۔" آپ فرماتی ہیں "جب سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زمین پر تشریف لائے، آپ نے سر مبارک اٹھایا اور آسمان کی جانب رخ کر کے دست بہ دعا ہو گئے۔" فرماتی ہیں: "شبِ ولادت ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے، پارسیوں کے آتش کدے کی وہ آگ بجھ گئی جو ایک ہزار سال سے مسلسل جل رہی تھی۔"

حضرت عبدالمطلب فرماتے ہیں:

میں اس وقت کعبہ میں تھا، میں نے بتوں کو دیکھا کہ سب بت اپنی اپنی جگہ سربسجود، سر کے بل گرے پڑے ہیں اور دیوارِ کعبہ سے یہ آواز آ رہی ہے:

ولد المصطفیٰ والمختار الذی تهلك بيده الكفار و يطهر من عبادة الاصنام و يأمر بعبادة الملك العلّام.

مصطفیٰ اور مختار پیدا ہوا، اس کے ہاتھ سے کفار ہلاک ہوں گے اور کعبہ بتوں کی عبادت سے پاک ہو گا، وہ اللہ کی عبادت کا حکم دے گا جو حقیقی بادشاہ اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

حضرت شیخ اسماعیل نبہانی خطیب بغدادی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت آمنہ نے فرمایا:

"جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی، میں نے ایک بڑا سا بادل دیکھا جس کی چمک میں میں نے گھوڑوں کی ہنہناہٹ، پروں کی سرسراہٹ اور انسانوں کی گفتگو سنی۔ پھر ایک منادی نے یہ ندا کی کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام دنیا کی سیر کراؤ، جنوں، انسانوں کے مقدس افراد اور فرشتوں، پرندوں اور وحشی جانوروں سے روشناس کراؤ اور آپ کو حضرت آدم کا خلق، حضرت نوح کی شجاعت، حضرت ابراہیم کی خلت، حضرت اسماعیل کی زبان، حضرت اسحاق کی رضا، حضرت صالح کی فصاحت، حضرت لوط کی حکمت، حضرت یعقوب کی بشارت، حضرت موسیٰ کی سختی، حضرت ایوب کا صبر، حضرت یونس کی طاعت، حضرت یوشع کا جہاد، حضرت داؤد کی صیانت، حضرت دانیال کی محبت، حضرت الیاس کی وفا، حضرت یحییٰ کی پرہیزگاری، حضرت موسیٰ کا زہد عطا کر دو

اورانبیا کے اخلاق سے سجادو۔"

اسی کے بعد انوارِ محمدیہ میں یہ روایت بھی ہے کہ اس رات کوئی گھر ایسا نہ تھا جو روشن نہ ہوا ہو، کوئی مکان ایسا نہ تھا جس میں نورِ محمدی ﷺ کا ظہور نہ ہوا ہو اور کوئی جانور ایسا نہ تھا جو بول نہ اٹھا ہو۔

شیخ احمد زینی دحلان کی "السیرۃ النبویۃ" کے حوالے سے "ضیاء النبی" میں ہے:

"حضرت عائشہ سے مروی ہے، آپ ان لوگوں سے روایت کرتی ہیں جو ولادتِ باسعادت کے وقت موجود تھے۔ آپ نے کہا: مکہ میں ایک یہودی سکونت پذیر تھا۔ جب وہ رات آئی جس میں اللہ کے پیارے رسول کی ولادتِ باسعادت ہوئی، تو اس یہودی نے قریش کی ایک محفل میں جا کر پوچھا: اے قریش! کیا تمھارے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ قوم نے اپنی بے خبری کا اظہار کیا۔ اس یہودی نے کہا: میری بات خوب یاد کر لو، س رات اس آخری امت کا نبی پیدا ہوا ہے اور اے قریش! وہ تمھارے قبیلے میں سے ہوگا اور اس کے کندھے پر ایک جگہ بالوں کا گچھا ہوگا۔ لوگ یہ بات سن کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ ہر شخص نے اپنے اہلِ خانہ سے پوچھا، انھیں بتایا گیا کہ آج رات عبد اللہ بن عبد المطلب کے ہاں ایک فرزند پیدا ہوا ہے۔ جسے محمد کے بابرکت نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ لوگوں نے یہودی سے آکر بتایا۔ اس نے کہا، مجھے لے چلو اور اس نومولود بچے کی زیارت کراؤ۔ وہ اسے لے کر حضرت آمنہ کے حریمِ نور میں آئے۔ انھوں نے حضرت آمنہ سے کہا، ہمیں اپنا فرزند دکھاؤ۔ وہ اپنے لختِ جگر کو اٹھا کر ان کے پاس لے آئیں، انھوں نے اس بچے کی پشت سے کپڑا ہٹایا تو پشت پر بالوں کا گچھا دیکھ کر وہ یہودی غش کھا کر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو لوگوں نے پوچھا، تمھیں کیا ہو گیا تھا۔ اس نے بصد حسرت کہا کہ بنی اسرائیل سے نبوت ختم ہوئی۔ اے قبیلۂ قریش! تم خوشیاں مناؤ، اس مولود و مسعود کی برکت سے مشرق و مغرب میں تمھاری عظمت کا ڈنکا بجے گا۔" [ملخصًا از: ضیاء النبی، ج:۲، ص:۳۲]

جب نور برساتا ہوا آفتابِ قدس طلوع ہوا تو کائنات کی ہر چیز مسرتوں کے شادیانے بجا رہی تھی، عرش و فرش میں چراغاں ہی چراغاں تھا۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف کی والدہ الشفا کہتی ہیں:

"اس نورِ مجسم کے ظاہر ہونے سے میرے سامنے مشرق و مغرب میں روشنی پھیل گئی۔ یہاں تک کہ میں نے شام کے بعض محلات کو دیکھا۔" کہکشاں بساطِ حرم کے بوسے لے رہی تھی۔ حضرت عبد المطلب یہ حیرت انگیز مناظر دیکھ کر پکار اٹھے: لَیَکُوْنَنَّ لِابْنِیْ شَانٌ [میرا یہ بچہ بڑی شان و شوکت والا ہوگا]۔ یہ نور و سرور کا عالم فرشِ زمین پر ہی نہیں تھا بلکہ افلاک پر فرشتے بھی عالمِ مسرت میں سجودِ شکر ادا کر رہے تھے، مگر اس بھری کائنات میں ایک تھا جو ناک بھوں چڑھا کر بیٹھا تھا۔ اپنی بدبختی اور حرماں نصیبی پر اشک بہا رہا تھا وہ ذات والا خرافات ابلیس ملعون کی تھی۔"

روض الانف میں حضرت قاسم سہیلی لکھتے ہیں:

"ابلیس ملعون زندگی میں چار بار چیخ مار کر رویا۔ پہلی بار جب اس کو ملعون قرار دیا گیا، دوسری بار جب اسے بلندی سے پستی کی طرف دھکیلا گیا۔ تیسری بار جب سرکارِ دوعالم کی ولادتِ باسعادت ہوئی، چوتھی بار جب سورہ فاتحہ نازل ہوئی۔" [بحوالہ ضیاء النبی، ج:۳، ص:۵۶]

مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی جلوہ گری بنی نوعِ انسان پر احسانِ عظیم ہے۔ اور امتِ مسلمہ کے لیے تو اس سے بڑی کوئی نعمت ہے ہی نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ. [آلِ عمران:۱۶۴]

[ترجمہ] یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول انھیں میں سے۔

اگر آپ نے قرآنِ عظیم کو مانا ہے تو اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ رسولِ کریم کی جلوہ گری ہمارے لیے اللہ کی سب سے عظیم نعمت و رحمت ہے اور اس نعمت سے مسلسل فیض و برکت کے لیے ضروری ہے کہ اس کی نعمت و رحمت کا شکر ادا کیا جائے۔ یہ فلسفۂ شکر و نعمت بھی ہمیں قرآن ہی سے ملا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ. [سورہ ابراھیم:۷]

[ترجمہ] اور یاد کرو جب مطلع فرمایا تمھارے رب نے کہ اگر سابقہ احسانات پر شکر ادا کروگے تو میں مزید اضافہ کروں گا اور اگر تم

نے ناشکری کی تو یقیناً میرا عذاب شدید ہوگا۔

یہ ایک فطری بات ہے، جب کسی کو کوئی انعام دیا جاتا ہے تو اس کا دل فرطِ مسرت سے جھوم اٹھتا ہے۔ انعام جتنا عظیم ہوگا فرحت و انبساط کا عالم بھی اتنا ہی دوبالا ہوگا۔ یا یوں سمجھیے کہ انعام پانے والے کے دل میں انعام و اکرام کی جتنی قدر و قیمت ہوگی، انبساط کے جذبات کی کیفیت بھی اسی قدر فزوں تر ہوگی۔ اظہارِ مسرت اور شکرانِ نعمت کے انداز مختلف ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح کفرانِ نعمت کے انداز بھی مختلف ہو سکتے ہیں۔ قرآنِ عظیم میں فضل و رحمت پر اظہارِ مسرت کا حکم کتنے دل آویز انداز میں دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۔

"اے حبیب! آپ فرمائیے، اللہ کا فضل اور اس کی رحمت پر چاہیے کہ اس پر خوشی منائیں، یہ بہتر ہے ان چیزوں سے جن کو وہ جمع کرتے ہیں۔" [سورۂ یونس:۵۸]

قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ

اپنے رب کی نعمت کا خوب خوب چرچا کرو۔ [سورہ والضحیٰ:۱۱]

اب یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ شرعی حد بندیوں کے ساتھ اظہارِ مسرت کیسے کیا جائے، مگر اتنا تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ مسرتوں کا اظہار چراغوں کو بجھا کر نہیں بلکہ چراغاں کر کے کیا جاتا ہے، ناک بھوں چڑھا کر بند کمروں میں بیٹھ کر نہیں بلکہ رسولِ رحمت کی بزم میں سجا کر کیا جاتا ہے، ہانڈیاں الٹنے سے نہیں بلکہ اہلِ محبت کے لیے دسترخوان لگا کر کیا جاتا ہے۔ ہر ملک و قوم میں اظہارِ مسرت کے الگ الگ انداز ہیں۔ جب دلوں میں خوشی کے جذبات امنڈ کر آتے ہیں تو وہ اپنے ظہور کے راستے خود نکال لیتے ہیں۔

۱۲ربیع الاول شریف میں میلادِ مصطفیٰ کی مجلسیں سجانا، سلام و نعت کے نغمے سنانا، گھر گھر چراغاں کرانا، احباب و مساکین کو کھانا کھلانا، صدقات و خیرات کی سبیلیں لگانا اور عشق و محبت سے سرشار ہو کر جلوس نکالنا، مسرت و شادمانی کے انتہائی بابرکت انداز ہیں اور کسی نہ کسی شکل میں یہ روایتیں عہدِ صحابہ ہی سے جاری ہیں۔ زمانے بدلتے رہے، شکرانِ نعمت اور اظہارِ مسرت کے انداز بھی بدلتے رہے۔

جلوس و میلاد کے یہ دل کش انداز جو عالمِ اسلام میں آج نظر آتے ہیں۔ قرونِ ثلاثہ کے بعد شروع ہوئے اور یہی کیا موجودہ طرز کے یہ مدارس اور دار العلوم، یہ قاعدۂ بغدادی سے دورۂ حدیث تک کا موجودہ نصاب و نظام۔ یہ دستار بندی کے جلسے، یہ ملکی و عالمی اجتماعات، یہ مذہبی کانفرنسیں اور دار العلوموں کے صد سالے، سب بعد ہی کی پیداوار ہیں، مگر یہ سب کے نزدیک باعثِ اجر و ثواب ہیں۔ اسی طرح غلاموں نے اپنے آقا مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی یادوں کی محفلوں میں بھی اظہارِ محبت کے نت نئے انداز تراشے ہیں اور میلاد کی محفلوں کے یہ انداز بھی صدی دو صدی کی بات نہیں بلکہ صدیوں پرانی روایت ہے۔ محدثِ جلیل حضرت امام سخاوی فرماتے ہیں:

"موجودہ صورت میں محفل میلاد کا انعقاد قرونِ ثلاثہ کے بعد شروع ہوا، پھر اس وقت کے تمام ملکوں اور تمام بڑے شہروں میں اہلِ اسلام میلاد شریف کی محفلوں کا انعقاد کرتے رہے ہیں، اس کی راتوں میں صدقات و خیرات سے فقرا و مساکین کی دل داری کرتے رہے ہیں، حضور کی ولادت باسعادت کا واقعہ پڑھ کر حاضرین کو بڑے اہتمام سے سنایا جاتا ہے اور اس عمل کی برکتوں سے اللہ تعالیٰ فضل عمیم کی ان پر بارش کرتا ہے۔" [ضیاء النبی، ج:۲، ص:۴۷]

سلطان صلاح الدین ایوبی کے بہنوئی شاہ اربل ملک مظفر ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے ذوق و شوق سے اس محفل کا انعقاد کرتے تھے۔ مشہور محدث حافظ ابن دحیہ نے جب میلاد رسول ﷺ کے حوالے سے اپنی کتاب "التنویر فی مولد البشیر النذیر" تاج دار اربل کے سامنے پیش کی تو وہ خوشی سے جھوم اٹھے اور حافظ ابن دحیہ کو ایک ہزار اشرفی بطور انعام پیش کیں۔ سبط ابن الجوزی نے اپنی کتاب "مرأة الزمان" میں عاشقِ رسول ملک مظفر کے جشنِ عید میلاد النبی ﷺ کا دل کش منظر سپردِ قلم کیا ہے۔ ان کی محفل میلاد میں اکابر علما اور اعاظم صوفیا شرکت فرماتے تھے۔ مصنف محفل میلاد کے ایک چشم دید شاہد کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"میں نے ملک مظفر کے جشنِ عید میلاد النبی میں بھیڑ بکریوں

کے پانچ ہزار سر، دس ہزار مرغیاں اور فیرنی کے ایک لاکھ سکورے اور حلوے کے تیس ہزار طشت خود دیکھے۔ جو علما اور صوفیا اس ضیافت میں شرکت فرماتے، ملک مظفر انھیں خلعتیں پہناتے، ملک مظفر میلاد شریف کی اس محفل پر تین لاکھ دینار خرچ کرتے تھے۔"

معروف نقاد محدث علامہ عبد الرحمٰن ابن جوزی فرماتے ہیں کہ محفل میلاد کی خصوصی برکتوں میں سے یہ ہے کہ جو اس کو منعقد کرتا ہے اس کی برکت سے سارا سال اللہ تعالیٰ کے حفظ و امان میں رہتا ہے اور اپنے مقصد اور مطلوب کے جلدی حصول کے لیے یہ ایک بشارت ہے۔

شارحِ بخاری امام قسطلانی فرماتے ہیں:

"ربیع الاول چوں کہ حضور ﷺ کی ولادتِ باسعادت کا مہینہ ہے۔ اس میں تمام اہلِ اسلام ہمیشہ سے میلاد کی خوشی میں محفلوں کا انعقاد کرتے چلے آرہے ہیں۔ اس کی راتوں میں صدقات اور اچھے اعمال میں شرکت کرتے ہیں۔ خصوصاً ان محفلوں میں آپ میلاد کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں حاصل کرتے ہیں۔ محفل میلاد کی یہ برکتِ محبوب ہے کہ اس کی وجہ سے یہ سال امن سے گزرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس آدمی پر اپنا فضل و احسان کرے جس نے آپ کے میلادِ مبارک کو عید مناکر ایسے شخص پر شدت کی جس دل میں مرض ہے۔" [المواھب اللدنیہ، ص:۲۷]

سرورِ کونین ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

"صوموا الاثنین لانی فیه ولدت"

دوشنبہ کو روزہ رکھو اس لیے کہ میں اسی دن پیدا ہوا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یومِ ولادت کی یاد باقی رکھنے کے لیے روزہ رکھنا مسنون ہے اور اسی کے حکم میں ہر وہ کارِ خیر ہے جس سے ولادتِ مصطفیٰ کی یاد کا رشتہ ہو۔ میلادِ مصطفیٰ کا نورانی سلسلہ بھی ولادتِ مصطفیٰ کی یاد تازہ کرتا ہے۔ اس موقع پر اظہارِ مسرت کا فائدہ تو کافر تک کو ملتا ہے۔ بخاری شریف کی مشہور روایت ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کی خبر جب ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے اس کو دی تو اپنے بھتیجے کی ولادت کی خوش خبری سن کر اس نے اپنی لونڈی کو آزاد کر دیا۔ اگرچہ اس کی موت کفر پر ہوئی اور اس کی مذمت میں پوری سورت نازل ہوئی لیکن میلادِ مصطفیٰ پر اظہارِ مسرت کی برکت سے پیر کو اسے پانی کا گھونٹ پلایا جاتا ہے اور اس کے عذاب میں بھی اس روز تخفیف ہوتی ہے۔

اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ ابوالخیر شمس الدین ابن جزری فرماتے ہیں:

"اذا كان هذا الكافر الذى نزل بذمه جوزى فى النار بفرحه ليلة مولده به فما حال المسلم الموحد من امته عليه السلام يسر بمولده و يبذل ما اتصل اليه قدرته فى محبته ﷺ لعمرى انما يكون جزاه من الله الكريم ان يدخله جنات النعيم."

جب ولادتِ مصطفیٰ کی خوشی پر اس کافر کو انعام ملا جس کی مذمت قرآن میں آئی ہے تو کیا حال ہوگا! اس مسلمان امتی کا جو ولادتِ مصطفیٰ پر خوشی منائے اور حضور کی محبت میں امکان بھر خرچ کرے۔ بقسم اس کا انعام اللہ تعالیٰ کی طرف سے جناتِ نعیم ہے۔

محدثین اور اکابر علما و مشائخ کی لمبی فہرست ہے جنھوں نے عیدِ میلاد کی محفلوں کے جواز و استحسان پر کتابیں لکھیں اور برکات و حسنات کے ظہور پے رقم کیے۔ اب ہم یہاں اکابرین کے چند فرمودات نقل کرتے ہیں جو برصغیر میں بلا تفریق سب کے نزدیک مسلّم ہیں۔

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رقم طراز ہیں:

"اے اللہ! میرا کوئی عمل ایسا نہیں جسے تیرے دربار میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں۔ میرے تمام اعمال فسادِ نیت کا شکار ہیں، البتہ مجھ فقیر کا ایک عمل محض تیری ہی عنایت سے اس قابل اور لائقِ التفات ہے اور وہ یہ ہے کہ مجلسِ میلاد کے موقع پر کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہوں اور نہایت ہی عاجزی وانکساری اور محبت وخلوص کے ساتھ تیرے حبیبِ پاک ﷺ پر درود و سلام بھیجتا ہوں۔

اے اللہ! وہ کون سا مقام ہے، جہاں میلادِ پاک سے بڑھ کر تیری طرف سے خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے؟ اس لیے اے ارحم الراحیم! مجھے پکا یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ یقیناً تیری بارگاہ میں قبول ہوگا اور جو کوئی درود و سلام پڑھے اور اس کے ذریعہ سے دعا کرے وہ کبھی مسترد نہیں ہوگی۔" [اخبار الاخیار، ۶۲۴، مطبوعہ کراچی]

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

"مجلسِ میلاد شریف میں اگر اچھی آواز سے قرآن پاک کی تلاوت کی جائے اور حضورِ اقدس ﷺ کی نعت شریف اور صحابۂ کرام واہلِ بیت عظام واولیاے اعلام کی منقبت کے قصیدے پڑھے جائیں تو اس میں کیا حرج ہے۔" [مکتوب نمبر ۷۲، ج:۱، ص:۱۷۱]

مقتداے ہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"مکہ معظّمہ میں حضور کی ولادت باسعادت کے دن میں ایک ایسی میلاد کی محفل میں شریک ہوا جس میں لوگ آپ کی بارگاہ اقدس میں ہدیۂ درود وسلام عرض کر رہے تھے اور وہ واقعات بیان کر رہے تھے جو آپ کی ولادت کے موقع پر ظاہر ہوئے اور جن کا مشاہدہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے ہوا تو اچانک میں نے دیکھا کہ اس محفل پر انوار و تجلیات کی برسات شروع ہوگئی۔ انوار کا یہ عالم تھا کہ مجھے اس بات کا ہوش نہیں کہ میں نے ظاہری آنکھوں سے دیکھا تھا، یا فقط باطنی آنکھوں سے، بہر حال جو بھی ہو، میں نے غور و خوض کیا تو مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ یہ انوار ان ملائکہ کی وجہ سے ہیں جو ایسی مجالس میں شرکت پر مامور کیے گئے ہوتے ہیں اور میں نے دیکھا کہ انوارِ ملائکہ کے ساتھ ساتھ رحمت باریِ تعالیٰ کا نزول بھی ہو رہا تھا۔" [فیوض الحرمین، ص:۸۰،۸۱]

حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ رقم کرتے ہیں:

"فقیر کے مکان پر ہر سال میں دو محفلیں منعقد ہوتی ہیں، ایک محفلِ میلاد اور دوسری شہادت امام عالی مقام حسین رضی اللہ عنہ۔ سیکڑوں کی تعداد میں لوگ جمع ہوتے ہیں، درود وسلام وقرآن مجید پڑھا جاتا ہے، وعظ ہوتا ہے، بعد ازاں کھانے پر ختم پڑھا جاتا ہے اور حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں سلام پیش کیا جاتا ہے اگر یہ سب باتیں فقیر کے نزدیک ناجائز ہوتیں تو فقیر ہرگز نہ کرتا۔" [فتاویٰ عزیزیہ]

شیخ طریقت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی فرماتے ہیں: "ہمارے علما مولد شریف میں بہت تنازع کرتے ہیں تاہم علما جواز کی طرف بھی گئے ہیں جب صورت جواز کی موجود ہے پھر کیوں ایسا تشدد کرتے ہیں اور ہمارے واسطے اتباع حرمین کافی ہے۔ البتہ وقت قیام کے اعتقاد تولد کا نہ کرنا چاہیے۔ اگر احتمال تشریف آوری کا کیا جاوے مضائقہ نہیں، کیوں کہ عالمِ خلق مقید بزمان و مکان ہے، لیکن عالمِ امر دونوں سے پاک ہے پس قدم رنجہ فرمانا ذات بابرکات کا بعید نہیں۔" [شمائم امدادیہ، ص:۹۳]

حضرت حاجی صاحب اپنا معمول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہوں بلکہ برکات کا ذریعہ سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں۔" [فیصلہ ہفت مسئلہ، ص:۹]

نابغۂ فرنگی محل حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی لکھتے ہیں:

"جو لوگ میلاد کی محفل کو بدعتِ مذمومہ کہتے ہیں، خلافِ شرع کہتے ہیں۔"

دن اور تاریخ کے تعین کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"جس زمانے میں بطرز مندوب محفل میلاد کی جاے باعثِ ثواب ہے اور حرمین، بصرہ، شام، یمن اور دوسرے ممالک کے لوگ بھی ربیع الاول کا چاند دیکھ کر خوشی اور محفل میلاد اور کارِ خیر کرتے ہیں اور قراءت اور سماعتِ میلاد میں اہتمام کرتے ہیں اور ربیع الاول کے علاوہ دوسرے مہینوں میں بھی ان ممالک میں میلاد کی محفلیں ہوتی ہیں اور یہ اعتقاد نہ کرنا چاہیے کہ ربیع الاول میں میلاد شریف کیا جائے گا تو ثواب ملے گا ورنہ نہیں۔" [فتاویٰ عبد الحی، ج:۲، ص:۲۸۳]

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اپنے اسلاف و اکابر کی طرح عشقِ رسول ﷺ کا سوز و گداز عطا فرمائے۔ آمین۔

اب ہم نور و سرور والے اس ناتمام کا قصۂ لطیف کا سلسلہ شاعرِ مشرق کے ایک آفاقی پیغام پر بند کرتے ہیں۔ عاشقِ رسول ڈاکٹر اقبالؔ فرماتے ہیں:

"میرے نزدیک انسانوں کی دماغی و قلبی تربیت کے لیے نہایت ضروری ہے کہ ان کے عقیدے کی رو سے زندگی کا جو نمونہ بہتر ہے وہ ہر وقت ان کے سامنے رہے۔ چناں چہ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسوۂ رسول کو مدِ نظر رکھیں تاکہ جذبۂ تقلید اور جذبۂ عمل قائم رہے۔ ان جذبات کو قائم رکھنے کے لیے تین طریقے ہیں: ❶ انفرادی طور پر درود و سلام پڑھنا۔ ❷ اجتماعی طور پر محافلِ میلاد النبی ﷺ منعقد کرنا۔ ❸ کسی مرشدِ کامل کی صحبت اختیار کرنا۔" [آثارِ اقبال، ص:۳۰۵، مطبوعہ حیدر آباد دکن]

☆☆☆

اصلاح معاشرہ

جلوس محمدی کے آداب اور بے احتیاطیاں

مولانا غلام محمد ہاشمی مصباحی: نائب مدیر سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تمام کائنات کے لیے سراپا رافت و رحمت اور عظیم نعمت ہیں۔ جتنی نعمتیں اللہ تعالی نے ہمارے اور ساری کائنات کے لیے پیدا کی ہیں وہ آپ ہی کا صدقہ ہیں۔ آپ ہی کے طفیل کائنات کی یہ بہاریں ہیں۔ آپ نہ تھے تو کچھ نہ تھا، آپ نہ ہوں تو کچھ نہ ہو، جان ہیں آپ جہان کی آپ ہیں تو جہان ہے۔ اور آپ کی ذات طیبہ دنیا و آخرت کی تمام دولت وثروت اور نعمتوں میں سب سے انمول، انوکھی، عظیم اور بے مثل و بے مثال ہے۔

ولادت طیبہ کے پر بہار اور بابرکت موقع پر دنیا بھر کے لوگ اپنی اپنی بساط اور وسعت کے مطابق خوشیاں مناتے اور مسرتوں کا اظہار کیا کرتے ہیں، عید میلاد مناتے ہیں، گھروں، دکانوں، اور مکانوں کو برقی قمقموں اور بجلی کے بلبوں سے سجاتے ہیں اور غریبوں، یتیموں اور مسکینوں کو کھانا بھی کھلاتے ہیں۔ مسرتوں کے اظہار اور ان کے اعلان کے ہمارے دیار میں یہ جتنے طریقے پائے جارہے ہیں نہ صرف یہ کہ جائز و مستحسن ہیں بلکہ باعث سعادت اخروی اور نجات کا سبب بھی ہیں۔ جلوس محمدی بھی اسی سلسلے کی ایک اہم اور مضبوط کڑی ہے جو تقریبات میلاد نبوی کا ایک انوکھا اور عمدہ حصہ بن چکا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کا یہ عمل بھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کی بہت میٹھی اور محبوب سنت ہے۔ یہ اس صدی کا ایجاد کردہ نہیں ہے۔ عہد رسالت مآب ﷺ میں بھی جلوس نکالے جاتے تھے، جن میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین شریک ہوا کرتے تھے۔

کتب سیر واحادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لے جانے کا حال بڑے پیارے اور انوکھے انداز میں لکھا ہوا ہے:

مورخین لکھتے ہیں کہ جب بھی حضور ﷺ کی تشریف آوری کی توقع ہوتی مدینہ کے مرد وعورت اور بچے وبوڑھے سب استقبال کے لیے مقام قبا میں جمع ہوجاتے، یہاں تک کہ جس روز ہجرت کی مسافتیں طے کرکے سچ مچ آپ اپنا میٹھا مدینہ تشریف لے آئے تو اس دن اہالیان مدینہ کی مسرتیں اور شادمانیاں قابل دید تھیں۔ ہر چہار جانب چہل پہل تھا۔ اس وقت مدینہ منورہ کے کیف وسماں کا حال ہی کچھ اور تھا۔

صحیح مسلم میں ہے:

فيصعد الرجال والنساء فوق البيوت، وتفرق الغلمان والخدم فى الطرق، ينادون: يا محمد! يا رسول الله ! يا محمد! يا رسول الله!

مرد وزن گھروں پر چڑھ گئے، بچے اور خدام راستوں میں پھیل گئے، اور سب باآواز بلند یا محمد! یارسول اللہ! یا محمد! یارسول اللہ! کہہ رہے تھے۔ [صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب فی حدیث الھجرۃ، ج:۲، ص:۴۱۹]

مسند الصحابۃ للرویانی میں ہے:

مدینہ کے لوگ جلوس کی شکل میں — جاء محمد صلى الله عليه وسلم،، [یعنی رسول اللہ ﷺ تشریف لاچکے] کا نعرہ لگا رہے تھے۔ [مسند الصحابہ، ج:۱، ص:۱۳۸، حدیث:۳۲۹]

المواھب اللدنیہ میں ہے:

معصوم بچیاں اور اوس وخزرج کی عفت شعار دوشیزائیں دف بجارہی تھیں، اور طلع البدر علینا کی صدائیں بلند کررہی تھیں [المواھب اللدنیہ للقسطلانی، ج:۱، ص:۶۳۴]

مذکورہ عبارات سے واضح ہے کہ جلوس محمدی کی جو ایک خوب صورت اور حسین شکل آج کے زمانے میں پائی جارہی ہے یہ آج کی نئی ایجاد نہیں ہے بلکہ اس کا سلسلۃ الذہب اہالیان مدینہ

منورہ کے اس تاریخی سلسلے سے جا ملتا ہے جو صدیوں پرانا ہے۔ جلوس محمدی کی افضلیت و اہمیت بہت نمایاں ہے اور اس کے فوائد و منافع حد شمار سے باہر۔ کلام مجید میں بھی اس کا ثبوت موجود ہے اور احادیث نبویہ بھی اس کے ذکر سے مالا مال ہیں؛اس لیے ہم مسلمانان عالم بڑے اخلاص وللّٰہیت اور خوش دلی کے ساتھ ہر سال جلوس محمدی بڑے آن بان کے ساتھ نکالا کرتے ہیں۔ اس کے فیوض و برکات سے اپنے آپ کو شادکام کرنے اور اس میں شریک ہو کر اپنا خوابیدہ مقدر جگانے کی کوشش کرتے ہیں،اس سے جہاں ہمارا ظاہر سجتا اور سنورتا ہے وہیں ہمارے باطن کو بھی روشنی ملتی ہے اور ہمارے ایمان و ایقان میں مزید مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔

جلوس میں شرکت کے آداب:

چوں کہ یہ جلوس وجہ تخلیق کائنات جان موجودات ﷺ کی جانب منسوب ہوتا ہے،اس سے آپ کی رفعت وعظمت اور ہمالیائی شان دنیا کو بتانا مقصود ہوتا ہے، یہ عام جلوس نہیں،اس کا مقام دنیاوی تمام جلوس سے ممتاز اور منفرد ہے؛اس لیے اس میں شرکت حاصل کرنے کے لیے ہمیں اس کی شایان شان اہتمام کرنا چاہیے اور اس کے آداب اور تقاضوں کا خصوصی لحاظ رکھنا چاہیے۔ اس کے کچھ آداب اور تقاضے ہیں جن کی رعایت ہر شریک کے اوپر بہت ضروری ہے۔ ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

[۱]جلوس میں شامل ہونے والے تمام اسلامی بھائی پہلے غسل کرلیں پھر نئے یا صاف ستھرے خوب صورت کپڑے زیب تن کریں۔ عمامہ ہو تو عمامہ اور آنکھوں میں سرمہ لگالیں اور خوش بو عطر ہو تو اسے بھی بدن اور کپڑے میں مل لیں۔

[۲]ظاہری تعطر اور عطر بیزی کے ساتھ ساتھ اپنے باطن کو بھی معطر اور خوش بودار بنائے رکھیں تو اچھا ہے۔

[۳]جہاں تک ہوسکے پورے جلوس میں باوضو رہیں اگر بیچ میں وضو ٹوٹ بھی جائے تو موقع ملتے ہی وضو کرلیا کریں۔

[۴]جلوس نام ونمود اور دکھاوا کے لیے نہ ہو بلکہ اس معاملے میں صرف اور صرف محبت رسول کا جذبہ کارفرما ہو۔

[۵]دل کی پاکیزگی اور صفائی قلب کے ساتھ شرکت کریں۔ شرکت سے مقصود جلوس اور صاحبِ جلوس کی روحانیت اور ان کے فیوض و برکات کی تحصیل ہو اس سے ہٹ کر کوئی دوسرا لایعنی مقصد نہ ہو۔

[۶]جلوس کشادہ اور بڑے سڑکوں پر نکالے جائیں تاکہ راہ گیروں کو کسی طرح کی کوئی تکلیف نہ ہو،ہاں اگر چھوٹے راستوں اور گلیوں سے گزارنا ہی ہو تو راستہ بالکل جام نہ کریں گزرنے والوں کو گزرنے کا موقع دے دیں۔

[۷]چھوٹوں پر شفقت کریں اور بزرگوں کا بے حد احترام کریں۔

[۸]دوران جلوس سگریٹ نوشی اور دیگر منشیات سے اجتناب کریں۔

[۹] اپنی زبان ذکر واذکار اور بالخصوص نعت نبوی میں مصروف رکھیں۔

[۱۰] نعرہ متوسط آواز میں ہو بتکلف بلند آواز نکالنے کی ضرورت نہیں۔

[۱۱]دوران جلوس اگر نماز کا وقت آجائے تو پہلے نماز ادا کرلیں، اس میں ہرگز غفلت نہ برتیں؛کیوں کہ نماز فرض ہے اور جلوس نکالنا کارِ مستحسن اور امر ثواب۔ ایک مستحسن کام کی وجہ سے فرض کو ترک کرنا ہوش مندی نہیں ہے، یہ نہ تو شرعا جائز ہے اور نہ ہی عقلا روا۔

[۱۲]مٹھائی اور تبرکات کی تقسیم کے وقت ادب واحترام کا خاصا لحاظ رکھیں۔

[۱۳]جلوس کو ذکر رسول کی بنا پر عبادت سمجھیں ،ہنسی مذاق، گالی گلوج اور بیہودہ حرکات سے پرہیز کریں، نیز اگر کسی سے کوئی تکلیف پہنچے تو عفو درگزر اور صبر سے کام لیں۔

[۱۴]راستے میں بڑے سلیقے اور ترتیب کے ساتھ ہلکے ہلکے قدموں پر باوقار چلتے رہیں۔ ہماری سلیقہ مندی، یگانگت و ہم آہنگی اور طرز روش ایسا دیدہ زیب اور دلکش ہو کہ دیکھنے والا دیکھ کر اسلام اور بانی اسلام کا گرویدہ ہوجائے اور اس بات کے اعتراف پر مجبور ہوجائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے عام ہے۔

جلوس محمدی میں غیر شرعی حرکات اور بے احتیاطیاں:

یہ بات مبنی بر حقیقت ہے کہ اس وقت جلوس محمدی کے

حوالے سے ہم میں جو بیداری آئی ہے وہ ماضی قریب کی بنسبت کئی فی صد زیادہ ہے یہ بہت ہی سعادت اور فیروز مندی کی بات ہے۔ مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جذبات و شوق کی اس بیداری اور حوصلوں کے اس عروج وارتقا کے ساتھ ساتھ کچھ ایسی بے احتیاطیاں اور غیر شرعی حرکات اس میں پائی جارہی ہیں جس کی بنا پر جلوس کا تقدس پامال ہورہاہے، اس کی روحانیت رخصت ہورہی ہے اور ہم بہت کچھ کرنے کے باوجود بے فیض اور محروم ہوکر واپس لوٹ رہے ہیں، بدقسمتی سے یہ کچھ نازیبا اور غیر مناسب افعال ہمارے موجودہ جلوس میں در آئے ہیں۔ ان غیر شرعی اور نامناسب کاموں سے جلوس کو پاک کرنا ہمارے لیے بہت ضروری ہے ورنہ ہم اپنے مقصد میں سرخرو نہ ہوسکیں گے، جلوس کی بے ادبی کا وبال بھی ہمارے سر آئے گا ساتھ ہی جلوس محمدی کے زریعے جو پیغام عالم اسلام کو پہنچانا ہے وہ ان تک نہ پہنچ سکے گا۔

مختلف دیار وبلاد میں جو نازیبا اور غیر شرعی افعال جلوس کا حصہ بنتے جارہے ہیں ان کی کچھ تفصیل اس طرح ہے:

[۱]آلات لہو ولعب خصوصاڈی جے کا استعمال، جب کہ ڈی جے کی آواز کی تندی اور اس کا دھرتی ہلادینے والا مکروہ شور ہی جلوس کے وقار کو پامال کرنے لیے کافی ہے۔

[۲]جدید ٹیکنالوجی اور ذرائع ابلاغ کے توسط سے یہ خبر بھی آئے سال ملتی رہتی ہے کہ بعض علاقوں میں ڈھول اور باجے بھی شامل کیے جارہے ہیں۔

[۳]بعض مقامات میں جلوس کی گاڑیوں میں فلمی ریکارڈنگ ہوتی ہے نوجوان لڑکے اس کے دھن میں ناچتے اور رقص کرتے ہیں۔

[۴]نعرہ لگاتے وقت اچھل کود کرتے اور غیر مناسب انداز میں اعضائے جوارح کو حرکت دیتے ہیں۔

[۵]راستوں کو جام کرکے راہ گیروں کو روکے رکھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے ہمارے وقار اور عظمت شان میں اضافہ ہوگا حالاں کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔

[۶]بعض شہروں اور قصبوں میں یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ جلوس گلیوں اور تنگ راستوں سے گزر رہا ہوتا ہے نوجوان عورتیں اور لڑکیاں گھروں کی کھڑکیوں اور چھتوں سے جلوس کے شرکا پر پھول نچھاور کرتی اس سے نوجوان لڑکے خلافِ اخلاق حرکتیں کرتے ہیں جو جلوس کے تقاضوں کے خلاف ہے۔

[۷]دوران جلوس غیر مہذب انداز میں تبرکات اور مٹھائیوں کا تقسیم کرنا بھی ہماری بے احتیاطیوں کا ایک حصہ ہے۔ مٹھائیاں تقسیم نہیں کی جاتیں بلکہ لوگوں کے سروں پر مٹی کے ڈھیلوں کی طرح پھینک دی جاتی ہیں، لوگ انھیں لینے کے لیے بے انتہا شور وغوغا کرتے ہیں، ہنگامہ آرائی ہوتی ہے اور نہ جانے کتنی مٹھائیاں اور تبرکات ہاتھوں سے چھوٹ کر پیروں کے نیچے آجاتی ہیں۔

[۸]سب سے بڑی بے احتیاطی اس باب میں اس میں ہوتی ہے کہ دوران جلوس نماز کا وقت آجاتا ہے اور ختم بھی ہوجاتا ہے اس کے باوجود جلوس روکا نہیں جاتا چلتا رہتا ہے۔ اور بعض علاقوں میں تو ایسا ہے کہ صبح سے لے کر عصر یا مغرب تک جلوس جاری رہتا ہے واپسی پر اگر ان سے پوچھیے کہ ظہر وعصر آپ نے پڑھی ہے یا نہیں؟ تو جواب ملتا ہے کہ نہیں پڑھی ہے، یا یہ کہ وقت ہی نہیں مل پایا۔ اس طرح کے بہت سارے غیر موزوں اور نامناسب اعمال ہیں جو ہماری عدم توجہی اور بے احتیاطیوں کا نتیجہ ہے۔

اصلاح کا طریقہ:

ان غیر شرعی کاموں اور خرافات کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ عوام کو جلوس کے آداب بتائے جائیں۔ اس میں پائی جانے والی موجودہ خامیوں کی نشان دہی کی جائے۔ جلوس کے آداب پر مشتمل پمفلٹ، لیٹریچرس اور اشتہارات لوگوں کے مابین تقسیم کیے جائیں۔ ربیع النور کی بارہویں تاریخ سے پہلے علما وخطبا اور ارباب فکر ونظر اکثر اسی کو عنوان خطاب بنائیں۔ ہر گاؤں اور محلے میں کچھ افراد اگر تبلیغ کے لیے پہنچ جائیں یا ہر محلے سے کچھ باذوق اور حساس نوجوانوں کو جلوس کی حفاظت کی ذمہ داری دے دی جائے، اور وہ نوجوان اپنے اپنے محلے کی ذمہ داری سنبھال لیں تو کامیابی بہت حد تک متوقع ہے۔ اللہ تعالی ہم تمام مسلمانوں کو توفیق خیر سے نوازے، اور تمام خرافات وواہیات سے بچنے کی قوت عطا کرے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوات واکمل التسلیم۔

اصلاح معاشرہ

نسل نو میں شادی کے منفی رجحانات

مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی: استاذ و مفتی ادارۂ شرعیہ اتر پردیش، رائے بریلی

"شادی" نسل انسانی کی بقا کا ایک اہم ذریعہ ہے، اسی فطرت کے پیش نظر دین اسلام نے مرد و عورت دونوں کو شادی کرنے کا حکم دیا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے " اے جوانو! تم میں سے جو گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کرے کیوں کہ یہ نظر کو جھکاتا ہے اور شرم گاہ کو محفوظ رکھتا ہے اور جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے کیوں کہ اس سے خواہش نفس مرتی ہے" [بخاری مسلم]

بیوی سے جنسی لذت کا حصول انسانی فطرت کا تقاضا اور تقویٰ و روحانیت کے عین مطابق ہے، مذہب اسلام کا عورتوں پر یہ بڑا احسان ہے کہ شادی کا طریقہ رائج کر کے عورتوں کی زندگی کے تمام لوازمات جیسے روٹی کپڑا، مکان اور ان کے لیے پیار و محبت والی ایک خوش گوار زندگی گزارنے کا انتظام کر دیا ہے اور انہیں بے سہارا اور در در کی ٹھوکروں سے محفوظ رکھا ہے، جب کہ دنیا کے دیگر مذاہب میں شادی سے دوری تجرد کی زندگی، گوشہ نشینی، سنیاسی اور رہبانیت کو مذہبی طور پر مقدس، پارسائی اور روحانیت کی علامت سمجھا جاتا ہے اور عورتوں کو صرف لذت، لطف اندوزی اور جنسی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ تصور کیا جاتا ہے جس کی جیتی جاگتی مثال عیسائی مذہب میں پادری، یہودی میں ملنگ اور ہندوؤں میں سَنت اور سادھوؤں کی زندگی ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں غیر اسلامی نظریات کی دلدادہ اور مغربی تہذیب کی پروردہ بہت سی لڑکیاں تعلیم، ملازمت اور آزادی کے بہانے شادی سے انکار کر دیتی ہیں اور کسی لڑکے کو اپنا بوائے فرینڈ [Boy friend] بنا کر اپنی نفسانی خواہشات پوری کر لیتی ہیں، وہ شادی کو ایک بندھن اور عذاب تصور کرتی ہیں، اپنی جوانی کی خاص عمر تک وہ اس طرح لطف اندوز ہوتی ہیں پھر جب عمر کی زیادتی سے ان کی خوبصورتی ماند پڑ جاتی ہے تو در در کی ٹھوکریں کھاتی ہیں اور سب کچھ لٹ جاتا ہے تب انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔

نکاح کے بغیر ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ کی تعمیر و ترقی ناممکن ہے، بغیر نکاح کے جنسی تعلقات قائم کرنے کی وجہ سے ہمارے سماج اور سوسائٹی میں طرح طرح کے نت نئے فتنے بھی جنم لیتے ہیں، شادی سے انکار کی وجہ سے جنسی بے راہ روی اور غیر اخلاقی جرائم کو دن بدن فروغ مل رہا ہے، لہذا ہمارے معاشرے کے ہر ذمہ دار کو اس پہلو پر بڑی سنجیدگی اور متانت کے ساتھ غور خوض کرنے کی ضرورت ہے کہ آخر ہمارے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں شادی سے کیوں انکار کر رہی ہیں؟ کیا وہ اعلیٰ تعلیم اور ملازمت کے نام پر ہم سے بے حیائی اور غلط کاری کے لیے اور وقت تو نہیں مانگ رہی ہیں؟ کہیں وہ اپنی عصمت اور عزت خفیہ طور پر لٹا تو نہیں رہی ہیں؟ اس لیے جب وہ جوان ہو جائیں تو ان پر کڑی سے کڑی نظر رکھی جائے اور تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنے کے بعد جتنی جلدی ہو سکے مناسب رشتہ تلاش کر کے انہیں نکاح کے بندھن میں باندھ دیا جائے، اسی میں عافیت اور بھلائی ہے۔

ہمارے سماج میں کچھ لڑکے اور لڑکیاں ایسی بھی ہیں جو "من پسند" شادی کو ترجیح دیتی ہیں اور گارجین راضی نہ ہو یا گھر میں سخت پہرہ ہو تو بھاگ کر من پسند شادی کر لیتی ہیں، والدین اور خاندان والوں کی رضا مندی کو کچھ بھی اہمیت نہیں دیتی جب کہ والدین کی رضا مندی کے بغیر اکثر شادیاں ناکام ہوتی ہیں اور شادی کی برکتوں سے خالی بھی رہتی ہیں، عشق و محبت کے سبز باغ ایسی لڑکیوں کی آنکھوں پر ایسی پٹی باندھ دیتے ہیں کہ وہ آنے والے مصائب اور حالات سے بے پرواہ ہو جاتی ہیں اور بعد میں ساری زندگی پچھتاوے میں گزرتی ہے اس طرح کے واقعات عموماً ایسے وقت بھی دیکھنے کو ملتے ہیں جب والدین کی طرف سے ان کی شادیوں کے سلسلے میں غفلت برتی جاتی ہے اور مناسب وقت پر ان کی شادی نہیں کی جاتی ہے۔

ہمارے معاشرے میں اس بات کا بھی بہت رواج ہے کہ شادی

سے پہلے لڑکیوں سے مشورہ، ان کی خواہش اور رضا نہیں معلوم کی جاتی ہے اور والدین محض اپنی پسند سے رشتہ طے کر لیتے ہیں، جب کہ رشتہ طے کرنے سے پہلے لڑکیوں سے مشاورت ضروری ہے، اسلام دین فطرت ہے لہذا وہ شادی کے معاملے میں لڑکیوں کو انکے فطری حق سے کیسے محروم کر سکتا ہے، ہمارے معاشرے میں بہت کچھ اسلام کے نام پر "غیر اسلامی" ہوتا ہے، حد تو یہ ہے لڑکوں سے شادی کے وقت ان کی مرضی اور پسند معلوم نہیں کی جاتی ہے، لڑکیوں سے مشاورت کی بات تو بہت دور کی ہے شریعت اسلامیہ میں لڑکی کی مشاورت ہی نہیں بلکہ اس کی مکمل رضامندی کے بغیر اس کا نکاح کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے گو کہ وہ نکاح شرعی طور پر منعقد تو ہو جاتا ہے لیکن اس لڑکی پر یقیناً ظلم ہوتا ہے۔ بہت سارے واقعات ایسے دیکھنے کو ملتے ہیں کہ لڑکی تعلیم یافتہ ہے اور اس کے والدین کسی ایسے لڑکے سے اس کا نکاح کرنے پر بضد ہیں جو اس کے برابر پڑھا لکھا نہیں، ظاہر ہے جب لڑکا لڑکی کے معیار کا نہیں ہے تو وہ لڑکی کیسے رضامند ہو سکتی ہے؟ لڑکا ہو یا لڑکی ہو کوئی اپنا ہم پلہ رفیق حیات تلاش کرتی ہے اور یہ اس کا فطری حق بھی ہے کہ اس کا جیون ساتھی اسی کے معیار کا ہو، اسی لیے تو اسلام نے "کفو" کا اعتبار رکھا ہے اور نکاح کے سلسلے میں "کفو" کو بڑی اہمیت حاصل ہے، ہاں! یہ بات صحیح ہے کہ والدین اور سرپرست کے مقابلے میں ان کی سمجھ بوجھ ناقص اور کچی ہوتی ہے، بچے اور بچیاں بہت جلد جذبات کے بہاؤ میں بہ جاتے ہیں، تو کیا محض کچی عمر، ناقص سوچ اور نا تمام شعور کو بنیاد بنا کر ان کی رضامندی اور مشورے کو یکسر نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں؟ اس لیے بہتر یہی ہے کہ لڑکے اور لڑکی کے خاندان والے لڑکا اور لڑکی کو شامل کر کے باہمی مشورہ کریں اور لڑکے لڑکیاں بھی اپنے والدین اور سرپرست کی رضامندی کے بغیر اپنی من پسند کی شادیاں نہ کریں تاکہ مستقبل کی ازدواجی زندگی خوش گوار اور پر سکون گزر سکے، لڑکے اور لڑکیاں جب جوان ہو جائیں تو والدین ملازمت وغیرہ کے نام پر ان کی شادیوں میں تاخیر نہ کریں کہ اللہ عزوجل رزاق ہے اس نے ہر ایک کا رزق مقرر کر رکھا ہے اور والدین جب اپنے بچوں کی شادی کرائیں تو لڑکے اور لڑکیاں انکار نہ کریں کہ زندگی کی حقیقی خوشی ہمیں شادی کر بغیر نہیں مل سکتی ہے، اس لیے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کو اپنی سنت اور نصف ایمان قرار دیا ہے۔ ☆☆☆

.......(صفحہ نمبر ۴۸ رکا بقیہ حصہ)

اپنے یا کسی اور کے خاندان کے یتیم کی کفالت کرنے والا اور میں جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح ساتھ ہوں گے۔ [مسلم شریف کتاب الزھد والرقائق]

مومن مومن کے لیے اس عمارت کے مثل ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔ [مسلم شریف کتاب البر وصلہ]

مسلمان ایک آدمی کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہوتی ہے تو اس کا سارا بدن تکلیف محسوس کرتا ہے۔ [مسلم شریف شریف کتاب البر والصلہ]

تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو فائدہ پہنچانے کی طاقت رکھتا ہے اسے چاہیے کہ ایسا کریں [مسلم شریف کتاب السّلام]

لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچانے والا ہے۔ [المعجم الاوسط للطبرانی]

تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ [جامع الترمذی کتاب البر والصلہ]

وہ شخص ہم میں سے نہیں جو چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا ہے اور بڑوں کی عزت نہیں کرتا ہے۔ [جامع الترمذی کتاب البر والصلہ]

بیماروں کی تیمارداری کروں جنازے کے ساتھ جاؤں یہ چیزیں تمہیں آخرت کی یاددہانی کرائی گئی۔ [الادب المفرد حدیث نمبر ۵۱۸]

موجودہ حالات میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ وہ تمام افراد، جماعتیں اور تنظیمیں جو کسی نہ کسی سطح پر اور کسی نہ کسی حوالے سے مذہبی، دینی، دعوتی، تبلیغی اور تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں وہ لوگ خدمت خلق کے میدان میں حضور نبی رحمت ﷺ کی سنت مقدسہ اور صحابہ عظام اولیاے کرام کے طریقوں پر عمل پیرا ہو کر حالات حاضرہ کے شکار اور مسائل سے دوچار ہو رہی انسانیت کے دکھ درد کا مداوا کریں، ان کے زخموں پر مرہم رکھنے اور ان کے مسائل کو حل کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔ اگر اس طرح انفرادی و اجتماعی طور پر اقدام اٹھائے گئے تو یہ بات بالیقین کہی جا سکتی ہے کہ انشاء اللہ عزوجل بہت جلد اور نہایت ہی سرعت کے ساتھ حالات بدلیں گے اور ایک مثبت انقلاب کا مشاہدہ ہم اپنے ماتھے کی آنکھوں سے کریں گے۔ ☆

خدمت خلق رضائے الٰہی کا ذریعہ

مولانا آزاد نقش بندی: بانی تنظیم پیغام سیرت اتر دیناج پور بنگال

خدمتِ خلق کا لغوی معنیٰ مخلوق کی خدمت کرنا ہے ،اصطلاح شریعت میں اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے جائز امور میں اللہ کی تمام مخلوقات بالخصوص مسلمانوں کا تعاون اور مدد کرنا خدمتِ خلق کہلاتا ہے۔خدمت خلق محبت خدا کا تقاضا،ایمان کی روح،دنیا و آخرت کی سرخروئی و کامیابی کا ذریعہ ہے۔صرف مالی امداد ہی خدمت خلق نہیں بلکہ کسی کی کفالت کرنا،کسی کو تعلیم دینا کسی کی تعلیم کا ذریعہ بننا و بنانا۔کسی کو نیک و مفید مشورہ دینا،کسی کو کوئی ہنر سکھا دینا،کسی کے دکھ درد میں شریک ہونا وغیرہ یہ سب خدمت خلق کی راہیں ہیں۔

انسان ایک سماجی مخلوق ہے اس لیے سماج سے الگ ہٹ کر زندگی نہیں گزار سکتا ہے،اس کے تمام تر مشکلات کا حل سماج میں موجود ہے۔مال و دولت کی وسعتوں اور بے پناہ صلاحیتوں کے باوجود انسان ایک دوسرے کے محتاج ہیں ،اس لیے ایک دوسرے کی محتاجی کو دور کرنے کے لیے آپسی تعاون ،ہمدردی ، خیر خواہی اور محبت کا جذبہ ایک سماجی ضرورت بھی ہے۔

مگر اسلام چوں کہ ایک صالح معاشرہ اور پر امن سماج کی تشکیل کا علم بردار ہے۔اس لیے مذہب اسلام نے ان افراد کی حوصلہ افزائی کی ہے جو خدمت خلق کا جذبہ سے سرشار ہو سماج کے دوسرے ضرورت مندوں اور محتاجوں کا درد اپنے دلوں میں سمیٹنے تنگ دستوں اور تہی دستوں کے مسائل حل کرنے کی فکر کریں، اپنے آرام کو قربان کر کے دوسروں کی راحت رسانی میں اپنا وقت صرف کریں۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ و آلہ و صحبہ وسلم نے انسانوں کو باہمی ہمدردی اور خدمت گزاری کا سبق دیا۔طاقتوروں کو کمزوروں پر رحم و مہربانی اور امیروں کو غریبوں کی امداد کرنے کی تاکید و تلقین فرمائی،مظلوموں اور حاجت مندوں کی فریادرسی کی تاکید فرمائی،یتیموں، مسکینوں اور لاوارثوں کی کفالت اور سرپرستی کا حکم فرمایا ہے ۔

خدمت خلق وقت کی ضرورت بھی ہے اور بہت بڑی عبادت بھی ہے۔کسی انسان کے دکھ درد کو بانٹنا حصولِ جنت کا ذریعہ ہے۔کسی زخمی دل پر محبت و شفقت کا مرہم رکھنا اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔کسی مقروض کے ساتھ تعاون کرنا اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کو حاصل کرنے کا ایک بڑا سبب ہے۔کسی بیمار کی عیادت کرنا مسلمان کا حق بھی ہے اور سنت رسول بھی ہے۔کسی بھوکے کو کھانا کھلانا عظیم نیکی اور ایمان کی علامت ہے۔دوسروں کے کام آنا ہی اصل زندگی ہے،اپنے لیے تو سب جیتے ہیں، کامل انسان تو وہ ہے جو اللہ کے بندوں اور اپنے بھائیوں کے لیے جیتا ہو۔

خدمت خلق کا اجروثواب احادیث کی روشنی میں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بیوہ اور مسکین کے لیے امدادی کوشش کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے اور اس شب بیدار کی طرح ہے جو کبھی سستی محسوس نہیں کرتا اور اس روزہ دار کی طرح جو کبھی روزہ نہیں چھوڑتا۔[بخاری شریف۔کتاب الآدب باب الساعی علی المسکین]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب کوئی مسلمان درخت لگائے پھر اس سے کوئی انسان یا جانور کھائے تو لگانے والے کی طرف سے وہ صدقہ شمار ہوتا ہے۔[بخاری شریف کتاب الادب]

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسائے کو نہ ستائے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات منہ سے نکالے یا خاموش رہے۔[بخاری شریف کتاب الادب]

حدیث پاک میں ہے:

وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کا پڑوسی اس کی ایذارسانی سے محفوظ نہ ہو۔[مسلم شریف کتاب الایمان] (بقیہ صفحہ نمبر ۷۴ پر)

سیمانچل کے ایک عبقری عالم دین

شمس العلما مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مولانا محمد اختر علی واجد القادری: صدر اعلیٰ جامعہ اسلامیہ یتیم خانہ میرا روڈ ممبئی

حضرت ملک العلما نے اپنے علوم وفنون کا دریا جن تشنگان علوم پر بہایا، اُن آسمان علوم وفنون کے تابندہ ودرخشاں ستاروں میں پیکر رشد وہدایت، تاجدارِ علم و حکمت، سایۂ ہر پیار و شفقت، نوشۂ بزم فقاہت، محبِ مشائخ سلسلہ رضویت، فدائے مشائخ اشرفیت، فقیہ عصر، نائب سید البشر، داعی دین مبین، عاشق شفیع المذنبین، فاضل علوم عقلیہ و نقلیہ، ادیب لبیب، مریضان علم وفن کے طبیب، ماہر درسیات، فاضل وکامل منطق وفلسفہ، شمس العلما، علامہ، الحاج، الشاہ، حضرت مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی کسیاروی، محدث بہار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مفتی اعظم مہاراشٹر، سابق صدر مفتی دار العلوم دیوان شاہ بھیونڈی وسابق شیخ الحدیث دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف کی ذات امتیازی حیثیت کی حامل ہے۔

وہ سادگی، بے ریائی، خوش روئی، خوش کلامی، خوش اخلاقی، عاجزی، انکساری، نفاست، لطافت، حلاوت، دینی حمیت و حرارت، عالمانہ وقار و تمکنت کے اجزاو عناصر کے پیکر جمیل تھے، انھوں نے احیاے دین، احقاق حق، ابطال باطل، بالخصوص فروغ علم حدیث و فتویٰ نویسی میں قابل قدر و نمایاں کارنامے انجام دیے، وہ اپنے زمانے میں بقیۃ السلف اور حجۃ الخلف، پیر طریقت، مظہر اولیاے معرفت و طریقت و حقیقت تھے، وہ اپنے دور کے عظیم قاضی، مبلغ، واعظ، خطیب، مصلح، مفسر، محقق، مدبر، محرر، نباض، فیاض، سخی، مدقق محدث اور بے مثال مفتی تھے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ:

سوال یہ ہے کہ اُن کا کوئی جواب ہے
جواب یہ ہے کہ ان کا کوئی جواب نہیں

تاریخ پیدائش وجائے پیدائش: مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تاریخ ولادت اُن کے پاسپورٹ کے مطابق ۲۴ر جولائی ۱۹۳۵ء بروز بدھ، ۲۳ر ربیع الآخر ۱۳۵۴ھ ہے، وہ صوبہ بہار کے ایک مردم خیز ضلع کشن گنج، پوٹھیا بلاک کے کوسیاری پنچایت کے کوسیاری شریف گاؤں میں عالی جناب مرحوم و مغفور خادم علی صاحب کے گھر پیدا ہوئے، کوسیاری شریف یوں تو ایک گاؤں ہے مگر اُس کا رقبہ کسی قصبہ سے کم نہیں، اس گاؤں میں بڑی بڑی سیاسی وعلمی شخصیتوں نے جنم لیا، راقم بھی اسی پنچایت سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ فی زمانہ وہ گاؤں جہاں، کھیت، کھلیان، باغ باغیچہ، پیڑ پودے، وغیرہ کی وجہ سے ہرا بھرا ہے، وہیں علم و فن، سیاست وسیادت میں بھی معروف ومشہور ہے۔

اسم گرامی: پیدائش کے بعد والد گرامی نے "فضل الرحمن" نام رکھا، بڑے ہوئے تو انہوں نے اپنا نام غلام مجتبیٰ رکھا، بیعت کے بعد اُس میں "اشرفی" کا اضافہ فرمایا، ان کے زمانے کے اجلہ علماے کرام انھیں "شمس العلما، محدث بہار" کے القابات سے یاد کرتے تھے، ان کے فتاویٰ اُس دور کے اخباروں میں چھپتے تھے، جن کے تراشے راقم کے پاس موجود ہیں، اُن تراشوں سے معلوم ہوا کہ اُس دور کے اخباروں میں انہیں "مفتی اعظم مہاراشٹر" لکھا جاتا تھا۔

خاندانی حالات: حضرت شمس العلما کے شہزادۂ گرامی، حضرت مولانا محمد مثنی اشرفی صاحب قبلہ نے راقم الحروف کو بتایا کہ:

"آپ کے والد گرامی عالی جناب مرحوم خادم علی صاحب کوسیاری گاؤں کے بڑے زمین دار، دین دار، متقی و پرہیز گار، مہمان نواز، مشائخ کرام کے قدرداں وخدمت گزار تھے۔ شمس العلما رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بچپن ہی تھا کہ آپ، والدہ محترمہ کی شفقت سے محروم ہوگئے، بچپن ہی میں والدہ صاحبہ کا انتقال ہوگیا تھا۔ عالی جناب مرحوم خادم علی صاحب جامع مسجد کوسیاری کے اہم ذمہ دار تھے، امانت، دیانت داری اور دینداری میں مشہور تھے، اسی لیے آپ کو مسجد کے خزانچی کا عہدہ دیا گیا۔ آپ اُسے تاحیات بحسن وخوبی انجام دیتے رہے، آپ زمیندار اور کسان ہونے کے باوجود نمازِ پنج گانہ کا

اہتمام کرتے اور بعد نمازِ فجر تلاوت قرآن آپ کا معمول تھا۔ سیرت کی کتابوں کا مطالعہ بھی آپ کی عادت میں شامل تھا، آپ کثیر اللحیہ با اخلاق، خدا ترس انسان تھے۔ کثیر العیال ہونے کے باوجود خوش حال زندگی بسر کرتے، وقت کے بڑے کسان اور بڑے تاجر کی حیثیت سے پورے علاقے میں پہچانے جاتے، آپ کی زندگی صوم وصلوٰۃ کی پابند اور اسلامی اصولوں کے مطابق گزری، الحمد للہ جناب خادم علی صاحب مرحوم کی تمام اولاد صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں، جس کا ایک نمونہ شمس العلما کی شکل میں ہے، پھر حضرت شمس العلما نے دنیاے سنیت کو علما، صلحا، مفتیان کرام اور شیخ الحدیث کی شکل میں اس انعام خداوندی کو تقسیم کیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شمس العلما کو دنیاے سنیت کے تمام اکابر علماے کرام یاد کرتے ہیں اور آپ کا فیضان علم صدقۂ جاریہ بن کر آپ کی روح کو پہنچ رہا ہے۔

جناب مرحوم خادم علی صاحب کا پہلا نکاح تفیذا خاتون سے ہوا، جن سے دو اولاد:

[۱] حضرت شمس العلما رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

[۲] محترمہ میمونہ خاتون جو، اب بھی بقید حیات ہیں۔

محترمہ میمونہ خاتون بھی اپنے والد کی طرح صوم وصلوٰۃ کی پابند ہیں، اب جب کہ عمر کے آخری حصے میں ہیں پھر بھی صوم و صلوٰۃ کی پابندی کرتی نظر آتی ہیں۔

مرحوم جناب خادم علی صاحب کی پہلی اہلیہ کے وصال کے بعد نکاح ثانی میں محترمہ سلمہ خاتون تشریف لائیں جو حضرت شمس العلما کی سوتیلی ماں بنیں، جن کے بارے میں اہل خانہ کا بیان ہے کہ محترمہ مرحومہ سلمہ خاتون کی شفقت و محبت اس قدر رہی کہ شمس العلما کو کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ وہ آپ کی سگی ماں نہیں ہیں۔ محترمہ سلمہ خاتون بھی صوم وصلوٰۃ و نہایت پرہیز گار اور مہمان نواز تھیں۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شمس العلما کو پرہیز گار و دیندار گھرانے میں پیدا فرمایا کیوں کہ ان سے دین و مذہب کی نشر و اشاعت کا کام لینا تھا اور، دین و سنیت کا علم بلند کرانا تھا، اکناف عالم میں دینی علوم کی تبلیغ و تشہیر کے لیے ایک جماعت تیار کرانا تھا، مرحوم جناب خادم علی صاحب کے دونوں نکاح سے کل ۹/ اولاد ہوئی، جس کی ترتیب اس طرح ہے:

❶ میمونہ خاتون ❷ حضرت شمس العلما رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ❸ ہاجرہ خاتون ❹ محمد صفی الرحمن ❺ محمد عارف حسین ❻ آسیہ خاتون ❼ ناظرہ خاتون ❽ ساخرہ خاتون ❿ ساجدہ خاتون۔ [براویت حضرت مثنی میاں قبلہ]

قد و قامت: حضرت شمس العلما کا قد میانہ، کشادہ پیشانی، ناک کھڑی، رنگ سانولا، چہرہ قریب بیضاوی، بارعب اور پر جلال، دندان مبارک صاف، مونچھیں پست، داڑھی گھنی لمبی، ہتھیلیاں چوڑی، جسم نہ موٹے نہ پتلے، دیکھنے والے دیکھتے اور آپ کے چہرے پر علمی تجلیات کا مشاہدہ کرتے رہتے۔

لباس: لمبا کرتا، پائجامہ قدرے اونچا، سر پر عمامہ، کندھے پر چار ہاتھی رومال، کبھی کبھی تہبند بھی پسند فرماتے، انگوٹھی چاندی کی ساڑھے چار ماشہ سے کم کی پہنتے، رفتار میانہ، چلتے وقت ادھر ادھر نہیں دیکھتے، ہاتھ میں عصا، جب اپنے مخصوص لباس میں رونق اسٹیج ہوتے تو علم وفضل کے پیکر نظر آتے، پورا شہ نشین ان کی طرف متوجہ ہوتا، بڑے بڑے صاحبان فضل و کمال باادب کھڑے ہو جاتے۔

تعلیم و تربیت: شہزادۂ شمس العلما حضرت مولانا محمد مثنی اشرفی نے راقم الحروف کو بتایا کہ ایک بار مفتی صاحب نے ارشاد فرمایا:

" پانچ سال کی عمر میں دادا نے والد صاحب کو بستی کے مدرسہ نور الاسلام، میں داخلہ کرایا، اور وہیں سے ان کا تعلیمی سفر شروع ہوا، روزانہ بلا ناغہ مدرسہ جانے کی تاکید ہوتی تھی، مدرسہ میں مفتی صاحب کو جو سبق ملتا، رات میں اسے اچھی طرح یاد کر لیتے، دادا رات میں اس وقت تک کتاب بند کرنے نہیں دیتے جب تک کہ وہ یہ نہ کہہ دیتے کہ سبق یاد ہو گیا ہے، انہیں کھیل کود کی اجازت نہیں تھی، چند ماہ میں قاعدہ، عم پارہ اور ناظرۂ قرآن مکمل کر لیا، دو تین سال میں اردو، اور فارسی کی پہلی، دوسری، آمد نامہ، چہل سبق وغیرہ مکمل ہونے تک یہیں پڑھا، جب انہوں نے اردو اور فارسی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تو دادا نے ان کا داخلہ اس دور کے مشہور تعلیمی ادارہ، ضلع کشن گنج بہار میں واقع "مدرسہ عارفیہ" چینا منا میں کرایا، یہاں استاذ العلما حضرت علامہ حافظ و قاری الحاج مفتی نصیر الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اکتساب فیض کیا، ان سے کچھ ہی عرصہ میں گلستاں، بوستاں، میزان منشعب، پنج گنج، نحو میر، ہدایۃ النحو، کافیہ، قدوری، شرح جامی اور شرح وقایہ وغیرہ تک کی تعلیم حاصل کی۔

بعدہ ان سے اجازت لے کر امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت امام

احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ کے تلمیذ خاص، ملک العلما، حضرت مفتی سید ظفر الدین بہاری رضوی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں پہنچے اور ان کی بافیض درسگاہ "دار العلوم بحر العلوم" کٹیہار [بہار] میں کئی سالوں تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ شمس العلما کے ایک قابل شاگرد حضرت مفتی مطیع الرحمن اشرفی صاحب قبلہ مدنی دار الافتاء گجرات کے بقول:

"حضرت شمس العلما نے ملک العلما سے، ملا حسن، نور الانوار، توضیح و تلویح وغیرہ کتابیں پڑھیں"

حضرت مولانا مثنیٰ اشرفی نے ایک ذخیرہ سے راقم الحروف کو حضرت شمس العلما کی طرف سے جاری ہونے والی سند حدیث کی زیارت کا شرف بخشا، اُس میں شمس العلما نے سند حدیث کے تعلق سے یہ لکھا ہے:

اعلموا اَیھا الاخوان، انی قد قراءت "صحیح البھاری "من الاحادیث النبو یه وغیره من الکتب الدرسیة ،فی مدرسة بحر العلوم ببلدة کتیھار علیٰ روئس الاشھاد بین رفقاء الدرس علی شیخ الزمان ، ملك العلماء محمد ظفر الدین علیه الرحمة و الرضوان"

[سند حدیث راقم کے پاس محفوظ ہے]

مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت شمس العلما نے حضرت ملک العلما سے حدیث شریف بھی پڑھی ہے۔ اسی سند حدیث میں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ

"میں ایک واسطہ سے امام اہل سنت کا شاگرد ہوں"

ایک ملاقات میں شہزادۂ شمس العلما حضرت مولانا محمد مثنی اشرفی نے راقم الحروف کو بتایا کہ

"والد صاحب بتاتے تھے کہ انہوں نے علم توقیت بھی حضرت ملک العلما سے پڑھا ہے"

مفتی مطیع الرحمن اشرفی صاحب کے بقول:

"حضرت ملک العلما رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں فیض حاصل کرنے کے بعد، شمس العلما اس زمانے کا معروف و مشہور اور امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمۃ کے قائم کردہ ادارہ "دار العلوم منظر اسلام" بریلی شریف پہنچے اور داخلہ لیا۔ منظر اسلام میں بحر العلوم حضرت مفتی سید محمد افضل حسین مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کے فقہ و حدیث، منطق و فلسفہ، فلکیات و توقیت وغیرہ کی بڑی شہرت تھی۔ شمس العلماء نے کچھ ہی عرصہ میں اپنی ذہانت و فطانت کی وجہ سے بحر العلوم حضرت مفتی سید افضل حسین مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگردوں میں مقام بنا لیا، علامہ مونگیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انہیں اپنی خصوصی توجہ سے علم و فن کا ماہ کامل بنا دیا۔ شمس العلما نے حضرت بحر العلوم کے زیر شفقت کتب بینی و شب بیداری میں سخت محنت کی۔ کبھی کبھی بحر العلوم دیر رات محاسبہ کے لیے تشریف لاتے تو عزیز ترین شاگرد کو مطالعہ میں غرق پاتے۔ اسی جد و جہد سے شمس العلما نے نصاب کی بقیہ کتبِ معقولات و منقولات کی تعلیم حاصل کی۔"

کسی نے سچ کہا ہے کہ

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

فراغت: راقم الحروف کے سامنے حضرت مولانا مثنیٰ اشرفی نے شمس العلما کے مشربی برادر، رفیق علمی سفر، سرپرست دعوت اسلامی ہند، حضرت مفتی الحاج محمد عبد الحلیم اشرفی صاحب قبلہ سے ٹیلیفونک گفتگو کی، مفتی صاحب قبلہ نے بتایا کہ

"میرے اور شمس العلما کے سر پر عالم اسلام کا مستند ادارہ "دار العلوم منظر اسلام" بریلی شریف کے شہ نشین پر اجلہ اکابر علما و مشائخ کے ہاتھوں ۱۹۵۸ء میں تاج فضیلت رکھا گیا اور اکابر و مشائخ و علمائے کرام کی دعاؤں کے ساتھ ہم اپنے مادرِ علمی سے فارغ ہوئے۔"

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ شمس العلما مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی محدث بہار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکمل ۲۳ سال کی عمر تک مختلف اعاظم اساتذۂ کرام سے اکتساب فیض کرتے رہے۔

انہوں نے جن قابل اساتذہ سے مختلف علوم و فنون مثلاً ① علم صرف ② علم نحو ③ علم فقہ ④ علم اصول فقہ ⑤ عربی ادب ⑥ علم حدیث ⑦ علم اصول حدیث ⑧ علم تفسیر ⑨ علم اصول تفسیر ⑩ منطق ⑪ علم فلسفہ ⑫ علم توقیت ⑬ علم میراث ⑭ علم فلکیات ⑮ فتویٰ نویسی ⑯ علم جفر ⑰ علم الحساب ⑱ عربی میں مضمون نگاری ⑲ علم مناظرہ ⑳ عربی میں مناظرہ تحریراً و تقریراً وغیرہ کی کتابوں کی تعلیم حاصل کی ہے، اُن کی فہرست یقیناً بہت لمبی ہوگی مگر ہمیں اس کی مکمل تفصیل نہیں مل پائی، کوشش جاری ہے کہ تمام

اساتذہ کی مکمل فہرست مل جائے اور مجھے یقین ہے کہ ان کے ذخیرہ میں کہیں نا کہیں اساتذہ کی فہرست بھی مل جائے گی۔

شمس العلما کے جن اساتذہ کے نام مل پائے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

اساتذۂ کرام:

(۱) ملک العلما حضرت مفتی، محمد ظفر الدین محدث بہاری رضوی [۱۸۸۰ء/۱۹۷۷ء] بہار

(۲) استاذ العلما حضرت حافظ وقاری الحاج مفتی محمد نصیر الدین اشرفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [۱۸۷۸ء/۱۹۹۷ء] کشن گنج بہار

(۳) محدث بہار حضرت علامہ احسان علی مظفر پوری، سابق شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی شریف۔

(۴) استاذ الاساتذہ بحر العلوم حضرت علامہ سید افضل حسین مونگیری رحمۃ اللہ علیہ [۱۹۱۹ء/۱۹۸۲ء] بریلی شریف۔

(۵) مفتی راجستھان حضرت مفتی محمد احمد جہانگیر خان اعظمی رحمۃ اللہ علیہ [ولادت ۱۳۵۱ھ]

(۶) حضرت علامہ سلیمان اشرفی بھاگلپوری رحمۃ اللہ تعالی علیہ [۱۹۱۰ء/۱۹۷۷ء] بہار

(۷) مفسر اعظم ہند حضرت علامہ محمد ابراہیم رضا خان علیہ الرحمہ [۱۹۰۶ء/۱۹۶۵ء] بریلی شریف

رفقائے درس:

شمس العلما کے اساتذہ اپنے زمانے میں آسمان علم و فن کے تابندہ شمس و قمر تو تھے ہی، سونے پر سہاگہ یہ ہے کہ ان کے رفقائے درس بھی نہایت باذوق و ذہین طالبین علوم نبوت و فضلائے وقت تھے جو، اپنے اپنے وقت کے ملی و مذہبی قائدین و محققین کی حیثیت سے جانے جاتے رہے ہیں، چند نام پیش خدمت ہیں:

(۱) امام علم و فن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(۲) امام النحو حضرت مفتی محمد بلال احمد نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [بہار]

(۳) حضرت مفتی محمد عبد الحلیم رضوی مظفر پور [بہار]

نکاح: شمس العلما کے استاذ حضرت مولانا، حافظ، قاری، الحاج، مفتی محمد نصیر الدین اشرفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایما و حکم سے رئیس اعظم چیامنا، کشن گنج بہار، کے مرحوم عید و حسین صاحب کی دختر نیک اختر مسماۃ ''نور صبا خاتون'' سے تقریباً ۱۹۶۰ء میں نکاح ہوا۔ ماشاء اللہ وہ بہت صابرہ و شاکرہ ہیں، شہزادۂ شمس العلما، مولانا محمد مثنیٰ اشرفی عمرہ کے لیے گئے تو آپ کی والدہ ماجدہ بھی اس شرف سے مشرف ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ موصوفہ کو فیضان شمس العلما سے صحت و تندرستی عطا فرمائے، شمس العلما کی معیت میں رہ کر انہوں نے بہترین نیک خاتون خانہ کا کردار ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے جمیع حسنات کو قبول فرمائے، آمین، بجاہ سید المرسلین۔

اولاد: اللہ تعالیٰ نے شمس العلما کو دولت علم و عمل، زہد و تقویٰ، پاکیزگی و پارسائی، حلم و صبر اور توکل علی اللہ کے ساتھ اولاد کی نعمتوں سے بھی خوب مالا مال فرمایا، شہزادۂ شمس العلما کے مطابق آپ کی کل ۱۰/ اولاد میں دو شہزادے بچپن ہی میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے اور مابقیہ ۸/ اولاد ابھی بقید حیات ہیں، ذیل میں دسوں کے نام درج کیے جاتے ہیں:

[۱] محمد اوّل [۲] محمد مثنیٰ اشرفی [۳] محمد سمنانی [۴] محمد یزدانی [۵] محمد رحمانی [۶] شگفتہ بیگم [۷] شہلا بیگم [۸] افروختہ بیگم [۹] رضوانہ بیگم [۱۰] فرزانہ بیگم۔

تدریسی خدمات:

دار العلوم منظر اسلام، بریلی شریف:

دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف ۱۹۰۴ء/۱۳۲۲ھ میں قائم ہوا، حضرت ملک العلما اور ان کے ایک ہم وطن دوست حضرت مولانا سید عبد الرشید عظیم آبادی سے اُس کا افتتاح ہوا، ان حضرات نے اپنے حلقۂ احباب میں خطوط لکھ لکھ کر لوگوں کو منظر اسلام کی طرف متوجہ کیا، جس کے نتیجے میں بہار وغیرہ کے طلبہ نے جوق در جوق آکر منظر اسلام میں داخلہ لیا۔ [جہاں ملک العلما ص ۱۰۷]

اِس سے واضح ہے کہ حضرت ملک العلما رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو منظر اسلام سے گہرا رابطہ تھا، شاید یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے ہونہار شاگرد حضرت شمس العلما رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو تحصیل علم منظر اسلام میں بھیجا، ملک العلما نے شمس العلماء کو صرف ایک بار بھیجا مگر وہ آئے تو پھر برسوں اسی کا ہو کر رہ گئے۔

واقعہ یہ ہے کہ شمس العلما جب منظر اسلام سے ۱۹۵۸ء میں فارغ ہوئے تو فراغت و دستار بندی کے بعد دار العلوم منظر اسلام کے مہتمم اعلیٰ، شہزادۂ حجۃ الاسلام حضرت علامہ ابراہیم رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بحر العلوم کی ایما پر دار العلوم منظر

اسلام میں تدریس کے لیے منتخب فرمالیا۔ اس دور میں آپ نے غالبا تین سال تک مسند تدریس کو زینت بخشی، اس کے بعد اپنے وطن چلے گئے اور وہاں ایک بہترین ادارے کے قیام کے لیے لوگوں کی ذہن سازی کی، بڑی محنت و مشقت کے بعد سن ۱۹۶۱ء میں جامعہ اشرفیہ پوٹھیا[ضلع کشن گنج بہار] قائم کیا۔

یہاں آپ تشنگان علوم نبویہ کو سیراب کر ہی رہے تھے کہ بریلی شریف سے حضرت بحر العلوم علیہ الرحمۃ کا حکم نامہ آیا کہ بریلی شریف برائے تدریس حاضر ہو جائیں، استاذ کا حکم نامہ پاتے ہی دوبارہ بریلی شریف تشریف لے گئے ۔ منظر اسلام میں آپ نے بڑی آن بان شان کے ساتھ درس و تدریس میں کمال کا شہرہ حاصل کیا، یکے بعد دیگرے آپ کی کئی بار تقرری ہوئی اورآپ ہر بار اپنے بحر علم سے تشنگان علوم نبویہ کو خوب سیراب فرماتے رہے، وصال سے قبل بھی آپ یہاں شیخ الحدیث اور مفتی رہے۔

آپ کا معمول تھا کہ آپ جہاں بھی رہتے، اپنے مرشد طریقت ،مرشد المشائخ ، حضرت شاہ ، سید مختار اشرفی الجیلانی علیہ الرحمۃ معروف بسرکارِ کلاں سے برابر رابطے میں رہتے، جس ادارے سے رخصت ہونا ہوتا اور جس ادارے کی مسند تدریس کو زینت بخشنا ہوتا، اس معاملہ میں آخری فیصلہ اپنے مرشد کی اجازت سے ہی کرتے ،یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے دورِ تدریس میں کبھی بھی جگہ کے تعلق سے پریشاں نہیں ہوئے، شمس العلما ایک ادارہ میں استعفیٰ دیتے تو دوسرے ادارہ والے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیتے، ان کی زندگی کا مشاہدہ کرنے والے بتاتے ہیں کہ جب کسی ادارہ سے چلے جاتے تو ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اُس ادارے میں آپ کے آنے جانے پر ارکانِ ادارہ کی دل شکنی ہوئی ہو بلکہ آپ رہیں یا نہ رہیں ہمیشہ یکساں مقبول و محبوب نظر ہوا کرتے، شاید اس لیے منظر اسلام بریلی شریف میں یکے بعد دیگرے کئی بار اور مدرسہ اسلامیہ محمدیہ حنفیہ امروہہ میں دو بار رہے۔

منظر اسلام میں آپ کس کس سن میں رہے، اس کی مکمل تحقیق کرنا چاہا مگر نہ ہو پائی، مختلف روایات ملتی ہیں۔ ”کاملان پورنیہ“ جلد اول میں ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے ملک العلما کے نام بھیجے گئے شمس العلما کے تین خطوط شامل کیے ہیں، اُن خطوط کے اختتامیہ پر شمس العلماء نے اپنے نام کے آگے ”مدرس دار العلوم منظر اسلام ۱۹۶۱ء“ لکھا ہے مگر اُس سے بھی واضح نہیں ہوا کہ آپ اُس دور میں کتنے سال رہے۔

۱۹۶۱ء کے بعد آپ کہاں رہے، اس کا تذکرہ نہیں ملتا ہے، البتہ ”کاملان پورنیہ“ جلد اول میں ” نو بہاران گل “ کے عنوان سے مصنف نے جن علما کا تذکرہ کیا ہے ان میں وہ علماء جو منظر اسلام سے ۱۹۶۵ء میں فارغ ہوئے ہیں، کے اساتذہ میں حضرت شمس العلماء کا بھی ذکر کیا ہے ۔ اِس تفصیل کی روشنی میں یہ کہنا مناسب لگتا ہے کہ آپ دوسرے دور میں کئی سالوں تک منظر اسلام میں رہے۔

۲۸/ جنوری ۲۰۱۹ء کو خلیفہ حضرت مفتی اعظم ہند مفتی بشیر الدین رضوی صاحب سے ملاقات ہوئی اور اُن کو جب میں نے کمپوز شدہ مسودہ دِکھایا تو انہوں نے منظر اسلام کے دور سے متعلق بڑے وثوق سے بتایا کہ:

”حضرت شمس العلما رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ منظر اسلام میں ۱۹۷۴ء تا ۱۹۷۵ء تھے اور اُن کا یہ تیسرا دور تھا، موصوف نے یہ بھی بتایا کہ وہ اِس بار امروہہ سے تشریف لائے تھے۔“

شمس العلما کے ایک دوسرے شاگرد مولانا محمد فاروق عالم رضوی مقیم حال میرا روڈ سے مورخہ ۱۶/ فروری ۲۰۱۹ء کو راقم الحروف نے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ:

” میری فراغت ۹/ جون ۱۹۷۴ء میں ہوئی اور میں نے حضرت سے تقریبا دو سال پڑھا ہے“

۱۹/ فروری ۲۰۱۹ء کو منظر اسلام کے قابل و قدیم مدرس حضرت مولانا ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی سے منظر اسلام کے رجسٹر کو دیکھ کر بتانے کی گزارش کی تو انہوں نے ایک روز بعد بتایا کہ

”یہاں کے رجسٹر کے مطابق جامع معقولات و منقولات، شمس العلما حضرت مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی علیہ الرحمہ نے منظر اسلام میں ۷/ نومبر ۱۹۷۳ء تا ۱۵/ اپریل ۱۹۷۵ء تک عہدۂ صدارت کو سرفراز فرمایا ،قدیم رجسٹر میں اسی طرح لکھا ہے اور حضرت کی دستخط موجود ہے، ان کے بعد حضرت تاج الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صدر المدرسین رہے۔“

اس سے واضح ہے کہ آپ مذکورہ مدت میں وہاں کے صدر المدرسین رہے۔ البتہ منظر اسلام میں شمس العلما کا آخری دور ۱۹۹۹ء تا ۲۰۰۲ء بحیثیت شیخ الحدیث رہا، یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے اور ان کی آئی ڈی سے بھی ثابت ہے۔

مدرسہ اشرفیہ پوٹھیا: رضا جامع مسجد، پوٹھیا بازار کے خطیب و امام حضرت مولانا محمد الیاس رضوی نے راقم الحروف کو بتایا کہ ۱۹۶۱ء میں

شمس العلماء کے خود کا قائم کردہ ادارہ ہے جس میں آپ تقریبا ڈیڑھ سال رہے۔یعنی حضرت شمس العلما پوٹھیا میں سال ڈیڑھ سال رہے،ادارہ کے بورڈ پر جو تاریخ قائم شدہ ۱۹۶۱ء لکھی ہے ممکن ہے کہ وہ بعد میں لکھی گئی ہو کیوں کہ ممبر سازی اور عہدہ کی تقسیم کا کام بڑا سخت ہوتا ہے اور جب فائنل ہوتا ہے عموماوہی تاریخ لکھی جاتی ہے۔

جامعہ نعیمیہ مرادآباد یوپی:

راقم الحروف نے حیاتِ شمس العلما کی تحقیق و ترتیب کے دوران، جامعہ نعیمیہ، دیوان بازار، مرادآباد، یوپی کے شعبہ تخصص فی الفقہ میں زیر تعلیم، جامعہ اسلامیہ یتیم خانہ میراروڈ ممبئی کے سابق طالب علم، عزیزم مولانا محمد عین الحق رضوی نعیمی سلمہ سے کہا کہ مذکورہ ادارہ میں شمس العلما کی مدت قیام کے تعلق سے معلومات حاصل کریں تو انہوں نے وہاں کا رجسٹر دیکھ کر بتایا کہ

جامعہ نعیمیہ کے ریکارڈ کے مطابق شمس العلما دو سال[۱۳۹۰ھ تا ۱۳۹۲ھ ۱۹۷۰ تا ۱۹۷۲ء درجۂ عالیہ کے طلبہ کو فیض پہنچاتے رہے اور یہاں کی مسند شیخ الحدیث کو بھی زینت بخشا۔

مدرسہ اسلامیہ محمدیہ حنفیہ محلہ شاہی چبوترہ، امروہہ، یوپی:

حضرت مفتی محمد اجمل حسین سنبھلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید، مدرسہ اسلامیہ محمدیہ حنفیہ، محلہ شاہی چبوترہ، امروہہ کے موجودہ صدر المدرسین و شیخ الحدیث، شمس العلما مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید، حضرت مفتی محمد شاہد حسین اجملی، مد ظلہ العالی و النورانی سے راقم کی ۱۰؍نومبر ۲۰۱۸ء کو ایک بجے دن میں ٹیلیفونک گفتگو ہوئی، موصوف نے بتایا کہ:

”حضرت شمس العلما نے، مدرسہ اسلامیہ محمدیہ حنفیہ محلہ شاہی چبوترہ امروہہ میں ۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۳ء اور ۱۹۷۵/۷۶/۷۷ تک مسند صدر المدرسین و شیخ الحدیث کو سرفراز فرمایا، اُسی دور میں، میں نے حضرت سے بہت کچھ حاصل کیا، میرے اساتذہ میں حضرت کا مقام بہت بلند اور عظیم المرتبت ہے، آپ سے میں نے وہ تمام چیزیں حاصل کیں جو دوسری جگہوں سے نہیں ملیں، اللہ پاک حضرت کے مرقد پر کڑوروں انوار و تجلیات کی بارش فرمائے کہ وہ مجھ پر بہت شفیق تھے، مجھے بڑی توجہ سے پڑھاتے، میرے ہر اعتراض کا جواب اطمینان بخش دیتے، میں بعض مقامات پر خوب اعتراض کرتا تھا اور حضرت اُس سے کبھی ناراض نہیں ہوتے بلکہ جب بھی اعتراض کرتا، وہ بہت خوش ہوتے تھے۔“

مفتی محمد شاہد حسین اجملی سے راقم الحروف نے اس زمانے کے تلامذہ کی فہرست دینے کی گزارش کی تو انہوں نے کہا کہ ”میں بیمار ہوں، دعا کریں! صحت مند ہو جاؤں تو ایک مضمون لکھ کر دیتا ہوں جس میں بہت کچھ لکھ دوں گا، اِن شاءاللہ“

راقم الحروف دعا گو ہے کہ مولیٰ کریم، حبیب پاک، صاحب لولاک، حضور رحمت عالم، نور مجسم، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اُن کو شفائے کاملہ عاجلہ عطا فرمائے۔آمین۔

اسی تحقیق کے دوران ایک دن شمس العلماء کے شاگرد حضرت مولانا محمد رغبت حسین کاشی باڑی والے سے بات چیت ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ میں نے شمس العلما سے ۷۶/۷۷ء میں امروہہ میں پڑھا ہے، مجھے اچھی طرح سے یاد ہے۔

اِس سے واضح ہے کہ آپ نے اُن دونوں دورِ تدریس میں کم و بیش ۵ سال خدمات انجام دِیے اور وہابیت کے اس گڑھ میں عظیم داعی و مناظر، بن کر وہابیوں کو راہ راست پر لانے کی ہر ممکن کوشش کی، قیام امروہہ کے دوران ایک بڑی کانفرنس کرائی جس میں اجلہ علماے اہل سنت سے وہاں کی عوام کو قریب کیا، غازی ملت کا خطاب ہوا، مفتی اعظم ہند سے لوگوں کو بیعت کرایا، دیوبندیوں کے مشہور مناظر طاہر گیاوی سے عربی میں تحریری مناظرہ کیا۔

جامع اشرف، کچھوچھہ شریف:

شمس العلما حضرت مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی رحمۃ اللہ علیہ جامع اشرف کچھوچھہ شریف میں کتنے سال رہے، اس تعلق سے راقم الحروف نے جب تحقیق شروع کی تو مفتی مبشر رضا ازہر مصباحی [مفتی نوری دارالافتاء کواٹر گیٹ مسجد، بھیونڈی] سے رابطہ کیا، اُن کے ایماء پر جامع اشرف کے لائق و فائق مدرس مفتی نذر الباری اشرفی سے رابطہ کیا، انہوں نے ایک ہفتہ کے بعد پرانے رجسٹروں کو دیکھ کر راقم کو بتایا کہ:

” پرانے رجسٹروں کے مطابق، شیخ اعظم، حضرت علامہ الحاج الشاہ سید محمد اظہار اشرف اشرفی الجیلانی صاحب قبلہ کا قائم کردہ ادارہ ”جامع اشرف“ کچھوچھہ شریف میں، ۱۹۷۸ تا ۱۹۷۹ء کے دوران، تقریبا دو سال مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی صاحب شیخ الحدیث کی حیثیت سے رہے اور آپ ہی اس مدرسہ کے پہلے شیخ الحدیث بھی ہوئے۔“[جاری]

سید مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی کی اویسی نسبتیں

مفتی عبدالخبیر اشرفی مصباحی: صدر المدرسین دار العلوم عربیہ اہل سنت منظر اسلام، التفات گنج، امبیڈکر نگر

محبوب یزدانی، قدوۃ الکبریٰ، غوث العالم، سید اشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اکابر صوفیا میں ہوتا ہے۔ آپ نے دنیا کے پیشتر ممالک کا دورہ کیا، بے شمار ارباب حل وعقد سے ملاقاتیں کیں، کثیر علما و مشایخ سے خلافتیں پائیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

"فقیر راز صدو چہاردہ جاے نعمت رسیدہ است واماثر کثیرہ فیض بخشیدہ اند ہمہ نثار فرزند نور العین کردیم"۔

فقیر کو ایک سو چودہ جگہ سے نعمتیں ملی ہیں۔ کثیر بزرگوں سے فیض حاصل ہوا ہے۔ یہ سب ہم نے فرزند نور العین پر نثار کردیا ہے۔[شیخ نظام یمنی، لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی: مکتبہ سمنانی، فردوس کالونی، کراچی، پاکستان، طبع دوم، شوال المکرم ۱۴۱۹ھ/فروری ۱۹۹۹ء، ص:۱۸۵/۲]

اس مختصر مضمون میں حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر علیہ الرحمہ کی جن حاصل شدہ نعمتوں اور نسبتوں کا ذکر ہم کرنے جارہے ہیں، وہ "اویسی نسبتیں" ہیں۔ ہماری اپنی معلومات میں حضرت محبوب یزدانی علیہ الرحمہ کی ان نسبتوں پر اصحاب قلم وقرطاس نے شاید ابھی تک کچھ نہیں لکھا ہے لہذا اصل عنوان پر خامہ فرسائی سے پہلے اویسی نسبت پر چند سطریں قارئین باذوق کے حوالے ہیں۔ امید ہے کہ یہ سطریں مقصود اصلی کی تفہیم میں معاون ثابت ہوں گی۔

صوفیاے باصفا کے یہاں دو قسم کی نسبتیں رائج تھیں۔[۱] نسبت صحبت اور[۲] نسبت روحانیت۔ نسبت صحبت یہ ہے کہ عالم شہادت میں طالب صادق اپنے شیخ کی صحبت سے اکتساب فیض کیا ہو اور شیخ بشرطِ اہلیت طالب کو اپنی نسبتوں کی اجازت دیا ہو۔ یہ صحبتی نسبتیں کابراً عن کابرِ آج بھی جاری وساری ہیں۔ مشایخ اپنے مصاحبین کو اپنے سلسلے کی نسبتوں اور خلافتوں سے سرفراز کررہے ہیں۔ ان نسبتوں کے حصول کے لیے اکثر اہل علم کو برسوں شیخ کامل کی صحبت اختیار کرنی پڑی ہے اور مجاہدے وریاضت کے بڑے بڑے مراحل طے کرنے پڑے ہیں۔ نسبت روحانیت یہ ہے کہ شیخ سے طالب کو بظاہر فیض صحبت حاصل نہ ہوا ہو بلکہ روحی فیض حاصل ہوا ہو۔ اسی نسبت کو "اویسیت" یا "اویسی نسبت" کہتے ہیں۔ اس نسبت کا انتساب عاشق رسول کریم ﷺ حضرت سیدنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کیا جاتا ہے۔ بعض کتب تصوف میں سلسلۂ اویسیہ کا ذکر آیا ہے، اس سے یہی نسبت یا سلسلہ مراد ہے۔ یہ سلسلہ بھی صحیح اور مستند ہے۔ کوئی اویسی نسبت کا متحمل شیخ باکمال اگر موجودہ دور میں بھی پایا جائے تو وہ بھی کسی بزرگ کی روحانیت سے براہ راست ہم کلام ہوسکتا ہے، اکتساب فیض کرسکتا ہے، یہ غیر ممکن نہیں ہے۔

یمن کی ایک بستی کا نام قرن ہے وہاں حضرت ابو عمرو اویس بن عامر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، رسول اکرم ﷺ کا زمانہ پایا مگر دیدار نہ کرسکے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے انہیں ملاقات کا شرف ملا۔ گوشہ نشیں اور زہد وتقوی میں یکتاے روزگار بزرگ تھے۔ رسول کریم ﷺ نے ان کے تعلق سے بلند کلمات ارشاد فرمائے ہیں: "آپ ﷺ سے پوچھا گیا: اویس قرنی کون ہے؟ ارشاد فرمایا: اس کا قد درمیانہ، سینہ چوڑا، رنگ شدید گندمی، داڑھی سینہ تک پھیلی ہوئی اس کی نگاہیں جھکی جھکی، اپنے سیدھے ہاتھ کو الٹے ہاتھ پر رکھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے، زار و قطار رونے والا ہے، اس کے پاس دو چادریں ہیں؛ ایک بچھانے کے لیے اور ایک اوڑھنے کے لیے، دنیا والوں میں گمنام ہے، لیکن آسمانوں میں اس کا خوب چرچا ہے۔ اگر وہ کسی بات پر اللہ کی قسم کھالے تو اللہ ضرور اس کی قسم کو پورا کرے گا، اس کے سیدھے کندھے کے نیچے سفید نشان ہے۔ بروزِ قیامت نیک لوگوں سے کہا جائے گا: تم لوگ جنت میں داخل ہوجاؤ۔ لیکن اویس قرنی سے کہا جائے گا: تو ٹھہر جا اور لوگوں کی سفارش کر۔ چنانچہ وہ قبیلہ ربیعہ اور مضر کے لوگوں کی تعداد کے برابر گناہ گاروں کی سفارش کرے گا"۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی

اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ:" جب تم اویس سے ملنا تو ان سے میرا سلام کہنا، دعا کرانا، وہ اللہ کے نزدیک عزت والوں میں سے ہیں"۔ [تفصیل دیکھئے:ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی، حلیۃ الاولیاوطبقات الاصفیاء:تحت عنوان، اویس بن عامر، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء، ص۲/۸۱]

صوفیا کہتے ہیں کہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کو براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غائبانہ فیض حاصل ہوا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی غائبانہ تربیت فرمائی تھی۔

نسبت صحبت اور نسبت روحانیت میں بہت بڑا فرق ہے۔ نسبت روحانیت یعنی اویسیت کے متحمل شیخ کے باکمال ہونے میں کوئی شک وشبہہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی، وہ بلند رتبہ ہوتے ہیں، اللہ عزوجل کے نزدیک مقبول ہوتے ہیں۔ چنانچہ مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ:

"قیاس احوال قرنیاں ومشارب خانوادۂ اویسیاں باایشاں نمی تواں کرد چہ تربیت روحانیہ ﷺ یا بزرگے از بزرگان دین مربی ایشاں می گردد"

سیدنا اویسی قرنی رضی اللہ عنہ کے مشرب وسلسلہ والوں کے احوال کا قیاس مجاذیب پر نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ سلسلہ اویسیہ والوں کی روحانی تربیت کے مربی حضرت رسول کریم ﷺ ہوتے ہیں یا کوئی اور بزرگ دین روحانی طور پر ان کی تربیت فرماتا ہے۔" [شیخ نظام یمنی، لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی: مکتبہ سمنانی، فردوس کالونی، کراچی، پاکستان، طبع دوم، شوال المکرم ۱۴۱۹ھ/ فروری ۱۹۹۹ء، ص:۱/۱۳۷]

مخدوم سید اشرف جہاں گیر علیہ الرحمہ کی اویسی نسبتوں کی تین جہتیں ہیں[۱] وہ نسبتیں جو آپ نے از خود حاصل کیں[۲] وہ نسبتیں جو آپ کو آپ کے شیوخ کے ذریعے حاصل ہوئیں اور[۳] وہ نسبتیں جو دوسرے بزرگوں نے آپ سے حاصل کیں۔ اویسی نسبتوں کی ان تینوں جہتوں کا تعلق شیخ کی حیات میں بھی ممکن ہے اور بعد وصال بھی ممکن ہے۔ احادیث وآثار میں ہمیں ہر ایک کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنی حیات میں حضرت ساریہ رضی اللہ تعالی عنہ کو اپنی روحانیت سے افادہ کیا اور حضرت ساریہ نے ان کی روحانیت سے استفادہ کرتے ہوئے میدان جنگ میں فتح کا پرچم لہرایا۔ [تفصیل دیکھئے: علامہ علی متقی ہندی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال: مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۹۸۹ء، حدیث نمبر ۳۵۷۹۱، ص ۱۲/۷۹۵]

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے تین روز بعد ایک دیہاتی صحابی حاضر مدینہ ہوئے، اپنی خطاؤں کا ذکر کیا، قبر انور سے رسول اللہ ﷺ نے مغفرت کی بشارت سنائی۔ [دیکھئے: علامہ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: دار عالم الکتب، ریاض، سعودیہ عربیہ، ۱۴۲۳ھ / ۲۰۰۳ء، ص:۵/۲۶۵]

اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جو حیات اور بعد ممات طالب صادق کو "اویسی طریق" سے افادہ کرنے کے ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے کچھ نسبتیں براہ راست حاصل کیں ہیں اور کچھ نسبتیں انھیں اپنے شیوخ سے ملے ہیں۔ درج ذیل سطور میں ان نسبتوں میں سے بعض کا ذکر اختصار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

مخدوم سید اشرف جہانگیر کی از خود حاصل کردہ اویسی نسبتیں

نسبت خضریہ:

یہ نسبت حضرت خضر علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ خضر ایک بزرگ شخصیت کا لقب ہے۔ ان کا اصل نام ابو العباس بلیا بن ملکان بقول دیگر تالیا بن ملکان بن عبر بن ارفکشد بن سام بن نوح ہے۔ قرآن کریم کی سورۂ کہف میں "خدا کے ایک بندے" سے حضرت موسی علیہ السلام کی ملاقات کا ذکر ہے۔ مفسرین کے نزدیک اس سے مراد حضرت خضر ہیں۔ آپ کے پیغمبر ہونے نہ ہونے میں علما کا اختلاف ہے۔ آپ اب بھی زندہ ہیں یا نہیں ؟ دونوں طرف دلائل کے انبار ہیں۔ آپ سے ملاقات کے حوالے سے صوفیاے کرام کے مشاہدات، تجربات اور دعوے ہیں ۔ ان کے رد وقبول کا کوئی قطعی اور حتمی پیمانہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ اللہ ہی کے پاس حقیقی علم ہے، وہی کارساز ہے۔

مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے ملفوظات میں حضرت خضر علیہ السلام سے بہت سے مشایخ کی ملاقات کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں خود آپ اور آپ کے پیر و مرشد مخدوم العالم شیخ عمر علاء الحق پنڈوی علیہ الرحمہ کی ذوات کریمہ بھی شامل ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اپنی ایک ملاقات میں حضرت مخدوم سید اشرف جہاں گیر علیہ الرحمہ کو بعض اوراد ووظائف کی تلقین بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ لطائف اشرفی میں ہے:

"شب جمال جہاں آرائے ولایت وخیال گیہان کشائے ہدایت حضرت خضر علیہ السلام نمودار شد وگفت ہنوز ترا کار در پیش است

،امابرسبیل اجمال ملاحظۂ معانی اسم مبارک "اللّٰہ" بے توسط لسان در مضغۂ صنوبری می کردہ باشند،وواقف انفاس نیزبایدبودزنہارازیں بیروں نباید بود۔ازاں مدت حضرت ایشاں دراں اشتغال مشتغل می بودند روز بروز نتیجۂ آں ظاہر می شدہ است دوسال دریں اشتغال مداومت کردہ ماند"۔ ایک رات جہانِ ولایت کو آراستہ کرنے والے اور دنیاے ہدایت کے بادشاہ حضرت خضر علیہ السلام جمالِ جہاں آراہوئے اور فرمایا ابھی آپ کا کام باقی ہے،ہاں واسطۂ زبان کے بغیر اسم مبارک " اللّٰہ " کے اجمالی معنی کا قلب پر مکمل توجہ کیجیے اس دوران انفاس سے بھی واقف رہناچاہیے ۔ ان مشاغل کو ہر گز ترک نہ کریں۔ حضرت مخدوم سید اشرف جہاں گیران مشاغل پر برابر کاربند رہے۔روز بروزان مشاغل کا نتیجہ ظاہر ہوتا رہا۔ آپ نے دوسال تک یہ مشاغل استقامت کے ساتھ جاری رکھے۔[شیخ نظام یمنی،لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی:مکتبہ سمنانی ،فردوس کالونی، کراچی، پاکستان، طبع دوم،شوال المکرم ۱۴۱۹ھ/فروری۱۹۹۹ء،ص:۹۲/۲]

حضرت خضر علیہ السلام نے ایک بار کی ملاقات میں حضرت مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کو ایک اینٹ عطاکی تھی۔وہ اینٹ آج بھی قصبہ جائس ضلع امیٹھی میں آپ کے چلہ خانہ کے اندرون حصہ میں نصب ہے۔اس اینٹ کے بارے میں شیخ المشائخ سید شاہ علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ:"قصبہ جائس میں حضرت محبوب یزدانی نے زمین خرید کرایک خانقاہ عالی شان مع تہ خانہ تیار کرائی تھی۔اور ایک مکان چلہ کشی اور گوشہ نشینی کے لیے علیحدہ بنایا تھا ،اوراس مکان کے محراب میں ایک اینٹ نصب کی تھی جس کو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت محبوب یزدانی کو عطافرمائی تھی،اوراس پر اسم "اللّٰہ" بہ خط عربی لکھاہے"۔[شیخ المشائخ اشرفی میاں ،صحائف اشرفی:ادارہ فیضان اشرف دار العلوم محمدیہ ،ممبئ، سال اشاعت ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء،ص۷۳/۲]

شیخ المشائخ مولانا الشاہ سید محمد علی حسین اشرفی رحمۃ اللہ علیہ نے مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی علیہ الرحمہ کی حضرت خضر علیہ السلام سے ان نسبتوں کی بنیاد پر لکھاہے کہ:" حضرت محبوب یزدانی قدس سرہ کو ایام سلطنت رانی میں حضرت خضر علیہ السلام سے تعلیم وتربیت سلوک حاصل ہوئی اور ان کو بلاسطۂ درمیانی رسول اللہ ﷺ سے خلافت وارشاد حاصل ہوا"۔[مرجع سابق،ص۴۸/۲]

مذکورہ بالاسطور سے عیاں ہے کہ مخدوم سیداشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی کا سلسلۂ خضریہ صرف ایک واسطہ سے رسول کریم ﷺ تک پہنچتاہے۔ مخدوم سیداشرف ابن سلطان سید ابراہیم علیہاالرحمہ از خضر علیہ السلام از رسول اللہ ﷺ۔

نسبت اویسیہ قرنیہ:

مخدوم سیداشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کو حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے بڑی محبت وانسیت تھی۔آپ اپنی مجلسوں میں حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے تھے،اوراد ووظائف اور مشاغل اویسیہ پر خود عامل تھے اور مریدین ومتوسلین کو بھی ان پر کاربندرہنے کی ترغیب دیتے تھے۔آپ کے مجموعۂ ملفوظات میں ہے کہ:

قال الاشرف:وان لم یکن رجل کامل واقف علیٰ عیوب الطبع لا یختار السفر الابا الوحدۃ کمال قال بعض العرفانی فی نعت اویس القرنی:مات شھیدا وعاش فریدا

حضرت سید اشرف جہاں گیرعلیہ الرحمہ نے فرمایا: جوشخص مرد کامل نہ ہواور اپنی طبیعت کے عیبوں سے واقف نہ ہووہ سفراختیار نہ کرے اورتنہارہے جیساکہ بعض اہل معرفت نے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے وصف میں کہاکہ:وہ شہید کی موت مرے اور اکیلے زندگی بسرکی۔[شیخ نظام یمنی،لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی:مکتبہ سمنانی ،فردوس کالونی، کراچی، پاکستان، طبع دوم،شوال المکرم۱۴۱۹ھ/فروری۱۹۹۹ء،ص:۱۷۵/۲]

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ:

"نماز خواجہ اویس قرنی بعضے مشائخ گذاردہ اند اگر تواند گذارد،وترتیب مشہوراست،ودرہر عشرہ کہ توفیق رفیق گردد جائز داشتہ اند"۔بعض مشائخ نے " نماز خواجہ اویس"اداکی ہے اگر ہوسکے توضرور اداکرے۔اس نماز کی ترتیب مشہور ہے۔[بزرگوں نے]ہرعشرے میں جب بھی توفیق نےساتھ دیا اس نماز کو روارکھا ہے۔[شیخ نظام یمنی،لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی:مکتبہ سمنانی ،فردوس کالونی، کراچی، پاکستان، طبع دوم،شوال المکرم۱۴۱۹ھ/ فروری ۱۹۹۹ء، ص:۱۳۲/۲]

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت نے مخدوم سید اشرف جہاں گیر علیہ الرحمہ کوبالمواجہ اذکارواشغال کی اجازت دی تھی اور

آپ نے بڑی خوش عقیدگی سے ان اذکار و وظائف کا مسلسل تین سالوں تک ورد جاری رکھا تھا۔ چنانچہ لطائف اشرفی میں ہے:

"روحانیہ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ نمودار شد ایشاں نیز باذکار اویسیہ خویش مشرف ساختند سہ سال دریں اذکار و افکار مشغول بودہ اند"۔ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روحانیت ظاہر ہوئی، اور آپ کو اپنے سلسلے کے اذکار سے مشرف فرمایا۔ آپ تین سال تک ان اذکار و افکار میں مشغول رہے۔[شیخ نظام یمنی، لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی: مکتبہ سمنانی، فردوس کالونی، کراچی، پاکستان، طبع دوم، شوال المکرم ۱۴۱۹ھ/فروری ۱۹۹۹ء، ص:۹۲/۲]

مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کی سیرت وسوانح سے دل چسپی رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ان اویسی اذکار و افکار میں مشغولیت کا زمانہ مخدوم العالم شیخ علاء الحق پنڈوی کے ہاتھ پر ہاتھ دینے سے پہلے کا ہے۔ ایسا ممکن ہے کہ مخدوم العالم شیخ علاء الحق پنڈوی علیہ الرحمہ سے بیعت وخلافت سے سرفرازی کے وقت تین سال کی مدت پوری ہوئی، اس کے بعد آپ اپنے مرشد کی تربیت میں آگئے اور ان ہی کے بتائے ہوئے اذکار و افکار میں مصروف عمل رہے۔

مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کا شجرۂ اویسیہ صرف ایک یا دو واسطے سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہے۔ مخدوم سید اشرف ابن سلطان سید ابراہیم علیہما الرحمہ از ابی عمرو اویس بن عامر قرنی از رسول اللہ ﷺ -یا- از علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم /عمر الفاروق رضی اللہ عنہ از رسول اللہ ﷺ -

نسبت فردوسیہ:

مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کو یہ نسبت مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ منیری سے حاصل ہوئی۔ حضرت مخدوم الملک کا اصلی نام احمد تھا، شعبان ۶۶۱ھ مطابق ۱۲۶۳ء میں بمقام منیر شریف پیدا ہوئے۔ والد گرامی نے ابتدائی تعلیم کے بعد مولانا شرف الدین ابو توامہ کی معیت میں مزید تعلیم کے لیے سنار گاؤں بھیج دیا، مولانا ابو توامہ اپنے وقت کے بڑے ممتاز عالم اور محدث تھے۔ حضرت مخدوم الملک نے مولانا شرف الدین ابو توامہ سے تفسیر، فقہ، حدیث، اصول، کلام، منطق، فلسفہ، ریاضیات و دیگر علوم کی تعلیم حاصل کی، ان ہی کی صاحبزادی سے شادی کی اور صاحب اولاد ئے۔ سلوک و معرفت کی تعلیم شیخ نجیب الدین فردوسی سے حاصل کی اور ان ہی کے در دولت سے خرقۂ بیعت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ سلطان محمد شاہ تغلق نے بہار میں آپ کے لیے خانقاہ تعمیر کرائی، جس میں آپ مستقل سکونت پزیر ہو گئے۔ ۵ شوال ۷۸۶ھ کی شب میں نماز عشاء کے وقت وصال ہوا۔

مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ جب تیسری بار اپنے پیر و مرشد سے ملاقات کے لیے پنڈوہ شریف بنگال تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں منیر شریف نامی گاؤں آیا، یہاں لوگ مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کی نماز جنازہ کے لیے امام کا انتظار کر رہے تھے، حضرت مخدوم الملک نے اپنی حیات ہی میں اپنی نماز جنازہ کے امام کی جن صفات کی نشاندہی کی تھی وہ آپ میں موجود تھیں، لہذا آپ کی اقتدا میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب مرشد مخدوم سید اشرف جہاں گیر، مخدوم العالم شیخ علاء الحق پنڈوی علیہ الرحمہ اپنی عمر کی آخری دہلیز پر تھے۔ نماز جنازہ کے بعد مخدوم سید اشرف جہاں گیر کے دل میں خیال آیا کہ کہیں میرے مرشد گرامی نے بھی انتقال نہ کیا ہو اور میں دیدار سے محروم رہ جاؤں۔ یہ خیال آتے ہیں مخدوم الملک علیہ الرحمہ کی روحانیت نے آپ کی یاوری کی اور تسلی دل جمعی میں مدد فرمائی۔ شیخ نظام یمنی لکھتے ہیں:

"قدوۃ الکبری خطور کرد بتوہم آں کہ حضرت مخدومی سفر آخرت در پیش گرفتند چہ ایں ولایت را از نواحی بنگالہ تصور کردند ہم دریں توہم روحانیہ حضرت شیخ شرف الدین منکشف شد، فرمودند کہ: فرزند اشرف! خاطر جمع دارید کہ پیر شما بدولت وسعادت بر مسند ارشاد و اورنگ اہتدا ہنوز نشستہ اند"- حضرت قدوۃ الکبری علیہ الرحمہ کے دل میں وہماً یہ خیال گزرا کہ میرے مخدوم شیخ علاء الحق علیہ الرحمہ کو سفر آخرت پیش آگیا ہے، کہ یہ ولایت بھی ولایت بنگال کے نواحی میں ہے۔ اسی حالت وہم میں شیخ شرف الدین علیہ الرحمہ کی روحانیت پاک نمودار ہوئی اور فرمایا: بیٹے اشرف! آپ جمع خاطر رکھیں، آپ کے شیخ اقبال وسعادت کے ساتھ اب بھی مسند ارشاد و ہدایت پر تشریف فرما ہیں۔[شیخ نظام یمنی، لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی: مکتبہ سمنانی، فردوس کالونی، کراچی، پاکستان، طبع دوم، شوال المکرم ۱۴۱۹ھ/فروری ۱۹۹۹ء، ص:۹۵/۲]

مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کی تجہیز وتکفین کے بعد مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی علیہ الرحمہ نے قرب

مقبرہ رات گزاری اور حضرت مخدوم الملک کی روحانیت سے مکمل استفادہ فرمایا۔ لطائف اشرفی میں اس کی تفصیل یوں درج ہے:

"شب درآمد در مقبرۂ شب گذرانیدند، روحانیہ شیخ عیاں شد، مکتوبات راامر بقرأت کردندو عنایت نمودہ ژندۂ خودرا بحضرت قدوۃ الکبری تفویض فرمودند، چوں صبح سعادت دمید و خرقۂ نیلی شب فلک دربرید حضرت قدوۃ الکبری طلب ژندہ کردند، اصحاب تمانع می کردند، فرمودند دریں جا مبالغہ بہمہ دیگر نسبت ندارد باید کہ ژندۂ شیخ بر قبر شیخ نہند ہر کرا نصیب خواہد بود بدست وی خواہد آمد، ہر ایک اصحاب بریں سخن آفرین کردند و ژندہ بر قبر داشتند، ہمہ اصحاب بہ نوبت دست کشاند بر دست کسے نیامد چوں ہمہ دست کشیدند حضرت ایشاں دست کشاندند، دست دراز کردند و ہمچوں گل آں خرقہ رابر داشتند، و سر در راہ نہادند، چوں ژندہ در بر کردند حالی غریب دست دادہ، زمانی سر فرو کردہ نشستند"۔ مخدوم سید اشرف جہاں گیر نے مقبرہ میں ہی رات بسر کی شیخ شرف الدین کی روحانیت ظاہر ہوئی، اپنے مکتوبات پڑھنے کا حکم دیا اور مزید عنایت کرتے ہوئے اپنی گدڑی آپ کے سپرد فرمائی، جب صبحِ سعادت چمکی، آسمان نے رات کی نیلی گدڑی چاک کیا تو قدوۃ الکبریٰ نے حضرت شیخ کی گدڑی طلب کی، اصحاب نے گدڑی دینے سے انکار کردیا۔ آپ نے فرمایا: اس دربار میں ایک دوسرے سے الجھنا مناسب نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ شیخ کی گدڑی شیخ کی قبر پر رکھ دی جائے جس کسی کے نصیب میں ہوگی اس کے ہاتھ میں آجائے گی۔ ہر شخص نے اس تجویز کی تعریف کی اور گدڑی قبر پر رکھ دی گئی، سبھوں نے باری باری اپنا ہاتھ پھیلایا کسی کے ہاتھ نہ آئی، جب سب نے اپنے ہاتھ کھینچ لیے تو آپ نے ہاتھ پھیلایا۔ اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور اس گدڑی کو پھول کی مانند اٹھالیا، سر پر رکھا، جب آپ نے وہ گدڑی [خرقہ] زیب تن کیا تو آپ پر عجیب طرح کا حال طاری ہوا۔ دیر تک سر نیچے کیے بیٹھے رہے"۔ [نفس مرجع، نفس صفحہ۔ ملخصًا۔]

مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے ساتھ حضرت مخدوم الملک علیہ الرحمہ کی ان روحانی نسبتوں کا خیال کیجیے اور بعد مرگ خرقۂ نسبت عنایت فرمانے کا لحاظ کیجیے تو بالیقیں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ان نسبتوں کی وجہ سے سلسلہ اشرفیہ میں سلسلۂ فردوسیہ کے فیوض و برکات بھی سمٹ آئے۔ تاجدار سمنان و کچھوچھہ کے شجروں میں فردوسی شجرہ کا اضافہ ہوا۔ مشایخ فردوسیہ اور مشایخ اشرفیہ ایک دوسرے سے قریب سے قریب تر ہوئے۔

مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کا بطریق اویسی سلسلۂ اشرفیہ فردوسیہ اکیس واسطوں سے رسول کریم ﷺ تک پہنچتا ہے۔ شیخ المشایخ مولانا الشاہ سید علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

"حضرت محبوب یزدانی کو عالم ارواح میں بالمواجہ بمقام بہار شریف حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہ سے خرقۂ خلافت و ارشاد حاصل ہوا، ان کو حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی المشہور شیخ نجم الدین صغریٰ قدس سرہ سے، ان کو حضرت رکن الدین فردوسی قدس سرہ سے، ان کو حضرت بدر الدین سمرقندی قدس سرہ سے، ان کو شیخ سیف الدین باخرزی قدس سرہ سے، ان کو حضرت شیخ نجم الدین کبری قدس سرہ سے، ان کو حضرت شیخ ابو نجیب ضیاء الدین سہروردی قدس سرہ سے، ان کو حضرت شیخ وجیہ الدین ابو حفص عمر سہروردی قدس سرہ سے، ان کو حضرت شیخ احمد اسود دینوری قدس سرہ سے، ان کو حضرت شیخ ممشاد علو قدس سرہ دینوری سے، ان کو سید الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہ سے، ان کو حضرت خواجہ سری سقطی قدس سرہ سے، ان کو حضرت خواجہ معروف کرخی قدس سرہ سے، ان کو حضرت سیدنا امام علی رضا رضی اللہ عنہ سے، ان کو حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ سے، ان کو حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے، ان کو سیدنا امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے ان حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے، ان کو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے، ان کو حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے، ان کو حضرت سیدنا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ سے۔ [شیخ المشایخ اشرفی میاں، صحائف اشرفی: ادارہ فیضان اشرف دار العلوم محمدیہ، ممبئی، سال اشاعت ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء، ص ۲/۴۷،۴۶]

مخدوم سید اشرف جہانگیر کی بواسطۂ مشایخ حاصل شدہ اویسی نسبتیں:

مذکورہ بالا صفحات میں جن نسبتوں کا بیان ہوا ان کو مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے ازخود بلاواسطۂ غیر صاحبِ فیض بزرگ سے حاصل کی ہیں۔ ذیل میں بعض ایسی نسبتوں کا بیان کیا جاتا ہے جن کو آپ نے اپنے مشایخ کے واسطے سے حاصل کیں۔ سردست صفحات کی قلت کے پیش نظر مخدوم جہانیان

جہاں گشت حضرت شیخ جلال الدین بخاری اوچی علیہ الرحمہ کے واسطے سے حاصل شدہ نسبتوں کے ذکر پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔

سلسلۂ خضریہ جلالیہ:

مخدوم جہانیان جہاں گشت سید جلال الدین بخاری کی ولادت ۱۴ شعبان المعظم ۷۰۷ھ بمطابق ۷ فروری ۱۳۰۸ء بروز جمعرات اوچ میں ہوئی۔ علوم ظاہری کے حصول کے بعد آپ نے راہ سلوک میں قدم رکھا۔ پہلے اپنے والد احمد کبیر بخاری سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ ان کے علاوہ کثیر مشائخ سے خرقۂ خلافت پایا۔ تقریباً تمام ممالک اسلامیہ کا سفر کیا، علمائے عظام اور صوفیاے کرام سے فیوض وبرکات حاصل کیے۔ اسی لیے جہاں گشت کے لقب سے مشہور ہوئے۔ لطائف اشرفی میں آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ: "شیخ شرف الدین مشہدی لکھتے ہیں کہ حضرت مخدوم جہانیاں کو خلافت واجازت ایک سو چالیس سے زیادہ علمائے راسخین اور صاحبان ارشاد مشائخ سے حاصل تھی جن کے خرقہ اور سلسلہ کی نسبت عن فلاں عن فلاں کے واسطے سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتی ہے۔ آپ نے علم شریعت وطریقت وحقیقت وعلم تصوف ان سب سے حاصل کیا اور جتنے مشائخ کا ہم نے ذکر کیا ہے ان بزرگوں سے اجازت وخلافت ارشاد اور تلقین کا شرف حاصل کیا"۔

حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت کل ۷۸ برس اس خاک دان گیتی میں رہے۔ سال وفات ۷۸۵ھ/۱۳۸۴ء ہے۔

مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی نے اپنے ملفوظات ومکتوبات میں حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت کا ذکر خیر بڑے ادب واحترام کے ساتھ کیا ہے۔ لطائف اشرفی میں ایک ہی جگہ پر دو درجن سے زائد ایسے مشائخ عظام کے نام شمار کئے گئے ہیں جن سے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کو بعالم بیداری یا خواب اجازت وخلافت حاصل ہوئی تھی۔ ان مشائخ کی فہرست کے آخری چار ناموں کو اس طرح لکھا گیا ہے:

[۱] **سلسلہ رفاعیہ:** "آپ [مخدوم جہانیان جہاں گشت] کو خلافت وجازت عالم خواب میں حضرت قطب الاولیا سید احمد کبیر رفاعی سے ملی۔

[۲] **سلسلہ نظامیہ:** آپ کو خلافت واجازت بعالم خواب شیخ الاسلام شیخ نظام الدین اولیا سے ملی۔

[۳] **سلسلہ خضریہ:** آپ کو خلافت واجازت وتربیت غوث الٰہی حضرت خواجہ خضر علیہ السلام سے حاصل ہوئی۔

[۴] **سلسلہ نبویہ:** آپ نے خرقہ حضور سرور کونین ﷺ کے دست مبارک سے بغیر کسی واسطہ کے زیب تن فرمایا"۔

مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ نے ان ناموں کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ:

" جب آخری بار حضرت مخدوم جہانیان قدس سرہ کی خدمت بابرکت میں شہر اوچ میں پہنچا تو مجھے آپ سے شرف اختصاص حاصل ہوا تو اس موقع پر حضرت نے ان تمام اکابر شیوخ کے نام گن گن کر وہ سب فیوض عطا فرمائے جو آپ ان مشائخ سے حاصل کر چکے تھے۔ [تفصیل دیکھیے: نظام الدین یمنی، /مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی، مترجم، شمس بریلوی، لطائف اشرفی فی طوائف صوفی: ناشر شیخ محمد ہاشم رضا اشرفی، ص ۱/۶۰۸-۶۱۰ لطیف ۱۵]

مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کا سلسلہ خضریہ جلالیہ دو واسطوں سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہے۔

مخدوم سید اشرف ابن سلطان ابراہیم سمنانی علیہما الرحمہ از مخدوم جہانیان جہاں گشت جلال الدین بخاری اوچی، از حضرت خواجہ خضر علیہ السلام، از رسول اکرم ﷺ۔ اسی طرح رسول کریم ﷺ کی نسبت روحانیت صرف ایک واسطے سے پہنچتی ہے۔

مخدوم سید اشرف ابن سلطان ابراہیم سمنانی علیہما الرحمہ از مخدوم جہانیان جہاں گشت جلال الدین بخاری اوچی از رسول اکرم روحی فداہ ﷺ۔

مخدوم سید اشرف جہانگیر سے دوسرے مشائخ کی حاصل کردہ اویسی نسبتیں:

مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ سے اویسی نسبت حاصل کرنے والے اہل دل بزرگوں کی تعداد بھی بہت کم ہے۔ ہر ایک کی تفصیل درج کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ بطور تمثیل مشہور کتاب مرآۃ الاسرار کے مصنف شیخ عبد الرحمٰن چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر پر ہم اپنے مضمون کا اختتام کرتے ہیں۔

شیخ عبد الرحمان چشتی علیہ الرحمہ نسباً قریشی ہاشمی علوی تھے۔ آباواجداد کا شمار مشائخ کبار میں ہوتا ہے۔ شیخ چشتی علیہ الرحمہ عہد مغل میں پیدا ہوئے، سلطان جہاں گیر اور شاہ جہاں کے ہم عصر تھے۔ حکومتی مجالس میں آپ کی شرکت ہوتی تھی اور شاہی محل میں آپ کا آنا

جاناتھا۔ علوم دینیہ میں آپ کو یدطولیٰ حاصل تھا۔ مشایخ چشتیہ کی حیات وخدمات پر آپ کی نظر گہری تھی۔

شیخ عبد الرحمٰن چشتی علیہ الرحمہ شیخ عبد الحق رودولوی علیہ الرحمہ کے خاندان سے تعلق رکھنے والے بزرگ شیخ حمید چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے۔ سربراہان سلسلۂ چشتیہ کی روحانیت آپ کی طرف متوجہ تھی خصوصًا مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ سے آپ کی عقیدت قابل رشک تھی، حضرت مخدوم کی روحانیت سے آپ نے حظ وافر حاصل کیا تھا۔ چنانچہ آپ خود اپنی کتاب مرآۃ الاسرار میں لکھتے ہیں کہ:

"جب اس فقیر کاتب حروف کے دل میں خضر علیہ السلام اور دوسرے رجال اللہ کی زیارت کی خواہش ہوئی اور بے قرار ہوا تو حضرت خواجہ معین الحق والدین چشتی قدس سرہ نے فرمایا کہ: میر سید اشرف جہاں گیر کے مزار پر جاؤ! وہاں تمھاری مراد پوری ہوگی۔ بندہ نے عرض کیا وہاں جانا ضروری ہے؟ فرمایا: بابا! حضرت حق سبحانہ تعالیٰ نے ہر جگہ کو ایک خاص برکت اور خاصیت بخشی ہے اور ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر فرمایا ہے، پس اسی وقت ہر اس جگہ جانا چاہیے تاکہ مراد حاصل ہو۔ پس یہ فقیر ۱۰۳۴ھ میں وہاں پہنچ کر محرم کے آخری عشرے میں معتکف ہوا"۔ [تفصیل دیکھئے: شیخ عبد الرحمٰن چشتی، ترجمہ، واحد بخش سیال چشتی صابری، مرآۃ الاسرار: ضیا پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء ص ۱۰۵۷، ۱۰۵۶]

اس اعتکاف کے دوران شیخ عبد الرحمٰن چشتی علیہ الرحمہ نے بہت کچھ حاصل کیا، متعدّد مشایخ کبار کی روحانیت سے استفادہ کیا بالخصوص مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کی روحانی نسبت آپ کو حاصل ہوئی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ کی بشارت پوری ہوئی اور آپ کی منہ مانگی مراد پوری ہوئی، چنانچہ آپ خود لکھتے ہیں کہ:

"یہ فقیر کاتب حروف باطنی حکم کے مطابق محرم ۱۰۳۴ھ میں میر سید اشرف جہاں گیر کے آستانۂ ولایت بخش پر حاضر ہو کر معتکف ہوا، ان دنوں حضرت حسن شریف بن سید علی بن سید محمود بن حاجی بن سید جعفر لاڈ بن میر سید حسین مذکور سجادہ نشیں تھے۔ بڑے صاحب اخلاق اور صاحب الحال تھے۔ اس فقیر کے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آئے۔ جب یہ فقیر اعتکاف سے فارغ ہوا تو آپ مجھے اپنے گھر پر لے گئے اور ضیافت کی اور بہت تواضع سے پیش آئے۔ شام کے وقت دعاے غفوری جو حضرت مخدوم جہانیاں کی طرف سے اس سلسلہ میں معمول تھی، اس فقیر کو مرحمت فرماکر رخصت فرمایا۔ اس کے بعد یہ فقیر میر سید اشرف جہاں گیر کے آستانہ پر حاضر ہوا لیکن حیران تھا، وجہ یہ تھی کہ شروع میں جب بندہ آپ کے مزار پر حاضر ہو کر نماز تہجد کے بعد مراقب ہوا تو آں حضرت نے ایک خرقہ اس فقیر کے کاندھوں پر ڈال دیا اور فرمایا کہ یہ پیرہن مجھے مخدوم جہانیاں میر سید جلال الدین بخاری [اوچ شریف] سے ملا تھا، میں نے تجھے دیا۔ جب سید حسن شریف نے مجھے رخصت کیا تو مجھے کچھ ناامیدی ہوگئی کیوں کہ اس خرقہ کا کوئی اثر مجھ پر ظاہر نہ ہوا تھا۔ چناں چہ میں روضۂ اقدس پر مراقب ہوا۔ نصف شب کے بعد حضرت سید حسن شریف کے خادم خاص سید سلطان نے آکر ان کا پیغام دیا کہ میں نے آپ کو رخصت کیا تھا لیکن میر سید اشرف جہاں گیر قدس سرہ نے مجھے امانت عطا فرمائی ہے، صبح آئیں اور لے کر گھر جائیں۔ صبح ہوتے ہی خادم مذکور نے دوبارہ آکر کہا کہ میر سید حسن آپ کا انتظار کر رہے ہیں، بندہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نہایت عزت واکرام سے پیش آئے اور فرمایا کہ مجھے ایک پیرہن میرے والد میر سید علی نے آخر عمر میں امانت کے طور پر دیا تھا کہ اسے احتیاط سے رکھنا اور میر سید اشرف جہاں گیر جسے چاہیں اسے دے دینا۔ آج رات آں حضرت نے فرمایا ہے کہ یہ امانت عبد الرحمٰن چشتی [مصنف کتاب ہذا] کے لیے رکھی تھی، اسے دے دو۔ چنانچہ آپ نے وہ پیرہن اور خواجگان چشت اور دوسرے سلاسل کے اجازت نامے لکھ کر اس فقیر کو عنایت فرمائے، اس قسم کے بزرگ اس خاندان میں اب تک موجود ہیں۔ [تفصیل دیکھئے: شیخ عبد الرحمٰن چشتی، ترجمہ، واحد بخش سیال چشتی صابری، مرآۃ الاسرار: ضیا پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء ص ۱۱۸۰، ۱۱۷۹]

شیخ عبد الرحمن چشتی علیہ الرحمہ کا سلسلۂ اویسیہ مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے واسطے سے مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید شاہ جلال الدین بخاری اوچی علیہ الرحمہ تک پہنچتا ہے۔

یہ قصہ لطیف ابھی ناتمام ہے
جو کچھ بیاں ہوا آغاز باب تھا

☆ ☆ ☆

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے موصول ہونا ضروری ہیں

کتاب	:	تاج الشریعہ کی فقہی بصیرت
مؤلف	:	مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی
صفحات	:	۴۸
سن اشاعت	:	۱۴۴۰ھ/ ۲۰۱۹ء
ناشر	:	مصباحی اکیڈمی، مبارک پور، اعظم گڑھ
مبصر	:	محمد عارف حسین قادری مصباحی

وارث علوم اعلیٰ حضرت ، تاج شریعت ، بدر طریقت حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات ستودہ صفات محتاج تعارف نہیں ، آپ بیک وقت محدث ، مفسر، محقق، متکلّم ، مناظر ، مرشد، اصولی ، ناقد ، مؤرخ ، مصنف ، مترجم ، شارح ، ادیب ، نحوی ، صرفی ، منطقی جیسے کثیر جلیل الشان اوصاف و کمالات کے حامل تھے ، مگر آپ کا سب سے نمایاں اور ممتاز وصف یہ تھا کہ آپ ایک ''سچے عاشق رسول ،، اور ایک ''عظیم مفتی'' تھے ، جس کی تعبیر اصاغر و اکابر علما و فقہا ، ارباب علم و دانش اور اصحاب فکر و قلم نے ''تاج الشریعہ'' ''ممتاز الفقہا'' اور ''جانشین مفتی اعظم ،، جیسے القاب و خطابات سے کی ہے۔

زیر تبصرہ رسالہ آپ کے اسی نمایاں وصف کی کچھ جھلکیاں پیش کرنے کے لیے مرتب کی گئی ہے ۔ رسالے کے مرتب و مؤلف حضرت مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی ہیں ۔ اتر دیناج پور بنگال کے علما میں یہ ایک معتمد نام ہے ، موصوف بیک وقت بہترین مدرس ، سنجیدہ خطیب ، جید قلم کار اور بے پناہ صلاحیتوں کے حامل ہیں ، ان کی متعدّد تصنیفات و تالیفات منظر عام پر آکر اصحاب فکر و نظر سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ''اشرف الاولیا حیات و خدمات'' ''بنگال اور اسلام'' ''مطلقہ عورت کے نان و نفقہ کا شرعی حکم اور سپریم کورٹ کے فیصلے'' اور'' استاذ العلما مشرقی بہار کی ایک عبقری شخصیت ''ان کے اہم قلمی شاہ کار ہیں۔

زیر تبصرہ رسالہ دراصل ایک بسیط مقالہ ہے جسے موصوف نے کلیان ، مہاراشٹر میں منعقد ''تاج الشریعہ نیشنل سیمینار و کانفرنس ،، کے لیے لکھا تھا ، بعد میں احباب کی گزارش پر کتابی شکل میں اس کی اشاعت ہوئی۔

ابتدائے کتاب سے ص: ۶ تک ، پیش لفظ ہے ، جو مؤلف کے تمہیدی کلمات اور شکر احباب کے ساتھ محرک و ناشر کے لیے دعائیہ کلمات پر مشتمل ہے۔

ص: ۷ سے رسالے کا آغاز ہوتا ہے ۔ منشود و مقصود کی گفتگو سے قبل مؤلف نے درج ذیل دو عنوان پر قدرے اجمال کے ساتھ روشنی ڈالنے کی کوشش فرمائی ہے۔

[۱]حضور تاج شریعت علیہ الرحمہ کا علمی تعارف ۔
[۲]تفقہ فی الدین کی تشریح ۔ قرآن حکیم کی ایک آیت اور ایک حدیث پاک کے ساتھ ساتھ لغت اور صرف کے حوالے سے تفقہ فی الدین کی توضیح کی گئی ہے۔

ص: ۱۱ سے ص: ۲۱ تک تاج الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فتویٰ نویسی کی ابتدا ، فقہی تبحر ، فقہی سیمیناروں میں شرکت و صدارت اور شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف کے قیام اور اس کے اغراض و

مقاصد سے متعلق قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

ص: ۲۱ سے اخیر تک تقریبًا ۲۸/ صفحات متعدّد تحقیقی فتاوے اوراہم احکام و مسائل کے تذکار جمیل پر مشتمل ہیں ۔ ان فتوؤں کی روشنی میں مؤلف نے تاج الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فقہی تبحر سے ارباب علم و دانش کو روشناس کرانے کی کامیاب کوشش کی ہے ۔ ان میں درج ذیل فتاوے اور احکام اہمیت کے حامل ہیں:

[۱] نسبندی کا فتویٰ
[۲] ٹائی کا مسئلہ
[۳] وحدۃ الوجود کا مسئلہ
[۴] خاندانی منصوبہ بندی
[۵] شب معراج دیدار الٰہی کا مسئلہ
[۶] بینک اور ڈاک خانوں سے ملنے والی اضافی رقم کا حکم
[۷] خون عطیہ کرنے کا شرعی حکم
[۸] قرآن کلام نفسی ہے یا کلام لفظی
[۹] کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن حکیم سے افضل ہیں؟
[۱۰] دوران قرآت ’’ حق نبی ‘‘ کا نعرہ لگانا کیسا ہے؟
[۱۱] لفظ ’’ شاہد،، کے معنی کی تحقیق
[۱۲] لفظ ’’خدا‘‘ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے ۔

مختصر یہ کہ رسالہ تقریبًا صوری اور معنوی خوبیوں سے مرصع ہے ۔

خیر! یہاں تک تو رسالے کا اجمالی تعارف تھا اب صاحب کتاب سے فقیر کے کچھ گزارشات ہیں:

ایک نکتہ رس، بالغ نظر تبحر محقق و فقیہ کے فتاوے کثیر اوصاف و کمالات سے متّصف ہونا چاہئے، مثلاً

[۱] قرآن حکیم سے استدلال
[۲] احادیث طیبہ سے استدلال
[۳] اجماع امت سے استدلال
[۴] قرآن وحدیث کے عمومات واطلاقات سے استدلال
[۵] فقہی جزئیات سے استناد
[۶] متعارض دلائل میں تطبیق و توفیق
[۷] مختلف اقوال میں ترجیح
[۸] حالات زمانہ کی رعایت
[۹] ناسخ و منسوخ، مطلق و مقید کی تعیین
[۱۰] نو پیدا مسائل و حوادث کے احکام کا استنباط
[۱۱] احکام شرعیہ کے رموز واسرار کی وضاحت
[۱۲] فرق باطلہ کے دلائل کی بیخ کنی
[۱۳] اصلاح و موعظت کا عنصر
[۱۴] حوالہ جات کی کثرت
[۱۵] مسکت اور الزامی جوابات
[۱۵] سائل کی زبان کی رعایت
[۱۷] رسم المفتی پر نظر
[۱۸] حیرت انگیز تحقیقات
[۱۹] ماضی کے فقہائے کرام پر تطفلات
[۲۰] حل اشکالات و جواب اعتراضات ۔

اس بارے میں ایک حبہ برابر بھی شبہ نہیں کہ تاج شریعت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قلم فیض رقم سے صادر ہونے والے فتاوے ان خوبیوں سے خوب مالا مال ہیں، اس لیے اگر رسالے کی ترتیب و تالیف میں ان متذکرہ بالا امور کی رعایت ہوتی اور ہر ایک پر کچھ شہادتیں پیش کردی جاتیں تو ایک عظیم الشان شاہ کار ثابت ہوتا اور بڑی قدر کی نگاہ سے بھی دیکھا جاتا۔

جن مسائل سے تاج شریعت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فقہی بصیرت ثابت کی گئی ہے وہ از روئے ترتیب کچھ انتشار کے شکار ہیں، کبھی حظر و اباحت کا مسئلہ، تو کبھی عقائد کا مسئلہ، کبھی تصوف کی بات تو کبھی تاریخ پر کلام ۔ وغیرہ وغیرہ، اس لیے اگر جودت وضع اور حسن ترتیب کا لحاظ کیا جاتا تو مزید رعنائی کا سامان ہوتا۔

امید ہے یہ رسالہ حضرت تاج الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی فقہی کمالات کو سمجھنے میں معاون ہو گا اور قارئین کے درمیان شرف قبولیت حاصل کرے گا۔ ☆☆☆

جہاں کی خاک سے انساں بنائے جاتے ہیں

مغربی بنگال کی ایک اہم دینی درس گاہ

دارالعلوم فدائیہ نوریہ پاچھورسیا

تعارف نگار: **مفتی محمد صابر عالم مصباحی**
صدر مفتی و ناظم تعلیمات دارالعلوم فدائیہ نوریہ پاچھورسیا

دارالعلوم فدائیہ نوریہ مغربی بنگال کے مشہور ضلع اتر دیناج پور میں "شہر اسلام پور" سے سات کلومیٹر دور جانب جنوب واقع ہے۔ اس کے بانی شیخ طریقت، رہنمائے شریعت، سراج الاولیا حضور علامہ الحاج سید شاہ نور علی قدس سرہ معروف بہ "حضور عالی" ہیں، جو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ معصومیہ کے عظیم بزرگ اور خانقاہ عالیہ سمرقندیہ دربھنگہ شریف کے سجادہ نشین تھے۔ اب اس دارالعلوم کے سربراہ اعلیٰ شہزادۂ حضور عالی مرتبت، پیر طریقت رہبر شریعت، مصباح العلما، شمس العرفا حضرت علامہ الحاج سید شاہ شمس اللہ جان صاحب مصباحی نقشبندی مجددی معروف بہ "سرکار بابو حضور" سجادہ نشیں خانقاہ عالیہ سمرقندیہ، دربھنگہ شریف ہیں۔ آپ کا یہ دارالعلوم مسلک اہل سنت وجماعت مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمت و اشاعت میں مصروف ہے۔ جس میں ۱۵؍ مدرسین وملازمین اپنے اپنے متعلقہ امور کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔ ۳۰۰؍ طلبہ ہاسٹل میں رہتے ہیں جن کے طعام وقیام کا انتظام ادارہ کرتا ہے۔ ان کے علاوہ درجات پرائمری میں ۱۰۰؍ سے زائد طلبہ مقامی ہیں جو روزانہ پڑھ کر چلے جاتے ہیں۔ یہ اہل سنت وجماعت کا معتبر دینی تعلیمی ادارہ ہے اس کے مختلف شعبے اور متعدّد عمارتیں ہیں۔ اس کے فارغین ہندوستان کے مختلف شہروں میں تدریسی، تنظیمی اور دعوتی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ہم یہاں اس ادارے کی تاریخ اور اس کی گراں قدر خدمات کی ایک جھلک پیش کریں گے۔

۱۹۲۹ء میں رسیا کے غریب مسلمانوں نے ایک چھوٹے سے سفالہ پوش مکان میں ایک مکتب قائم کیا، جس کا نام "مدرسہ فدائیہ انوارالعلوم" تجویز کیا۔ اس وقت اس کا تعلیمی معیار قاعدہ بغدادی، قرآن مجید اور ابتدائی دینی تعلیم تھا۔ لوگ تنگ حالی کے باوجود مل جل کر اس کا تعاون کرتے تھے۔ سنی دیوبندی اختلافات سے یہاں کے لوگ واقف نہیں تھے، علاقے میں دیوبندی پیروں کی آمد ورفت کا سلسلہ جاری تھا۔ لوگ مسلک اہل سنت وجماعت مسلک اعلیٰ حضرت سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ اکثر لوگ مولوی منت اللہ رحمانی سے مرید ہو چکے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ خانقاہ عالیہ سمرقندیہ دربھنگہ شریف کے بزرگان دین کا دورہ شروع ہوا، ان کے قدوم میمنت سے فیوض وبرکات کی مسلسل برسات ہونے لگی، بالخصوص سراج الاولیا حضرت علامہ الحاج "سید شاہ نور علی" قدس سرہ کی تشریف آوری سے عامۃ الناس کو بہت فائدہ پہنچا۔

لوگ دیوبندی پیروں سے دور ونفور ہونے لگے، ہزاروں بدعمل تائب ہو کر صراط مستقیم پر گامزن ہوئے، پھر قوم مسلم کو بدعقیدگی سے بچانے کے لیے حضرت سراج الاولیا نے مدرسہ فدائیہ انوارالعلوم کی نشاۃ ثانیہ کی، بعد میں جب اس کی مزید توسیع ہوئی تو "دارالعلوم فدائیہ نوریہ" بنا، جو اس وقت "روحانی ہاسٹل" سے مشہور ہے۔

۱۹۹۴ء میں حسب سابق ایک تاریخ ساز تین روزہ عظیم الشان جلسہ بنام "نورالکونین کانفرنس" کا انعقاد ہوا۔ جلسے کی صبح حضور عالی نے مقتدر علمائے اہل سنت کی موجودگی میں فرمایا: اے رسیا والو! کان کھول کر سن لو!" یہ ادارہ میرا ہے۔ میں بصد خلوص اس کو آپ لوگوں کے حوالے کر رہا ہوں، اگر اس میں کچھ بھی خیانت ہوئی تو قیامت کے دن گریبان پکڑ کر حساب لوں گا"۔ اس

کے بعد حضور عالی رونے لگے، حاضرین مجلس بھی سسکیاں لے لے کر رونے لگے ،اس وقت کا منظر اور باشندگان رسیا کے جذبات کا تلاطم دیکھنے کے قابل تھا،لوگ وفور جذبات سے بے قابو ہوکر مالی تعاون کے لیے ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

دیکھتے ہی دیکھتے چند سالوں میں یہ ادارہ اپنے سربراہ اعلیٰ اور باوقار انتظامیہ کی پیہم کوششوں سے حیرت انگیز ترقی کر کے مدارس کے درمیان اپنی ایک منفرد شناخت قائم کر چکا ہے، متعدّد مقتدر علماے کرام و مشائخ ذوی الاحترام یہاں کی تعلیمی و تبلیغی خدمات کا جائزہ لے کر اس کا برملا اظہار بھی فرما چکے ہیں۔ اس دارالعلوم میں تشریف لانے والے مقتدر علماے اہل سنت کے نام درج ذیل ہیں:

ا۔غزالی دوراں حضرت علامہ سید سعید احمد کاظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۲۔جامع معقولات و منقولات حضرت علامہ ظفر ادیبی مبارک پوری ۳۔ممتاز الفقہا، محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری مدظلہ العالی ۴۔سرج الفقہا، محقق مسائل جدیدہ حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی صدر شعبۂ افتا و صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ ۵۔مصلح قوم وملت، پیر طریقت حضرت علامہ عبد المبین صاحب نعمانی چریا کوٹ یوپی ۶۔مجاہد سنیت، حضرت علامہ مفتی سلیم اختر صاحب مجددی شیخ الحدیث و ناظم اعلیٰ دارالعلوم غریب نواز ممبئی ۷۔شہنشاہ خطابت حضرت مولانا قاری رضی اللہ علیہ الرحمہ ۸۔خطیب الہند حضرت علامہ مختار احمد صاحب بہیڑوی بریلی شریف ۹۔حضرت علامہ مفتی شمس الدین صاحب بہرائچی ۱۰۔حافظ احادیث کثیرہ حضرت مولانا محمد حسین ابوالحقانی صاحب مدھوبنی بہار ۱۱۔شہنشاہ درس گاہ حضرت علامہ محمد مجاہد حسین صاحب مصباحی دارالعلوم غریب نواز الہ آباد، یوپی ۱۲۔خطیب ہندوستان حضرت مولانا غلام رسول بلیاوی صاحب ۱۳۔مبلغ اسلام حضرت علامہ اقبال احمد نوری علیہ الرحمہ ۱۴۔شیخ الادب حضرت علامہ نورالحق صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم نوری اندور [ایم پی] ۱۵۔شاعر باکمال، استاذ الشعرا جناب بیکل اتساہی علیہ الرحمہ ۱۶۔جناب اجمل سلطان پوری ۱۷۔ استاذ الشعرا جناب راہی بستوی صاحب۔

ان کے علاوہ علاقائی و بیرونی خطبا اور شعرا کی تشریف آوری ہوتی رہتی ہے۔ان کے تأثرات محفوظ نہ ہو سکے ،صرف سرج الفقہا، محقق مسائل جدیدہ حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی صدر شعبۂ افتا و صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ کے تأثر گرامی کو قارئین کی نذر کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"تحفظ عقائد کانفرنس" کالوگچھ ،رام گنج میں شرکت کے لیے آج صبح سویرے "دارالعلوم فدائیہ نوریہ" پاچھور سیا اسلام پور آیا، اساتذہ ،طلبہ ،ارکان اور باشندگان رسیا سے دیر تک ملاقات کا سلسلہ جاری رہا، پھر دارالعلوم کی تعمیرات ،اور تعلیم و تربیت کا جائزہ لیا،اس سے مجھے قلبی مسرت حاصل ہوئی۔

یہاں حفظ قرآن پاک کے ساتھ درس نظامیہ کی تعلیم درجۂ اعدادیہ سے درجۂ رابعہ تک ہے ،اساتذہ باصلاحیت اور باعمل ہیں ،اساتذہ گیارہ ہیں اور طلبہ ۵۵۰ جن میں ۲۵۰ طلبہ باہر کے ہیں جن کے قیام و طعام کا بندوبست مدرسہ کرتا ہے ،یہ دارالعلوم بنگال کے اس علاقے کا مرکزی دارالعلوم ہے جہاں سے لوگ اپنی دینی ضرورتیں پوری کرتے ہیں ،دارالعلوم میں ایک مفتی بھی ہیں جناب مولانا مفتی محمد صابر عالم مصباحی جو لوگوں کے مسائل کے جوابات تقریری اور تحریری طور پر دیتے ہیں ۔اس دارالعلوم کے بانی حضرت مولانا سید شاہ نور علی صاحب دام مجدہم ہیں، یہ سلسلۂ نقشبندیہ کے ایک بزرگ اور خانقاہ سمرقندیہ در بھنگہ کے سجادہ نشیں ہیں، یہ اور ان کا دارالعلوم مسلک اہل سنت و جماعت مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمت اور نشر و اشاعت میں مصروف ہے۔ اس لیے اہل خیرات حضرات سے گزارش ہے کہ دل کھول کر اس دارالعلوم کے تعاون میں حصہ لیں اور ثواب دارین کے حق دار ہوں۔

مولیٰ تعالیٰ دارالعلوم کی مدد فرمائے اور اسے خوب فروغ دے آمین بجاہ حبیبہ النبی الکریم علیہ و علیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

محمد نظام الدین رضوی

خادم درس و افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

۲۰ر صفر المظفر ۱۴۳۴ء ۳ر جنوری ۲۰۱۳ء [جمعرات]

الحمدللہ !دارالعلوم کے سربراہ اعلیٰ اور باوقار انتظامیہ کی پُر عزم

اور مستحکم قیادت ونگرانی میں یہ شعبہ جات قائم ہو چکے ہیں :[۱]نوری دارالافتا [۲]شعبۂ عالیہ[۳]شعبۂ حفظ وقرأت[۴]شعبۂ پرائمری[۵]شعبۂ کمپیوٹر[۶]شعبۂ تبلیغ وارشاد[۷]ہلال کمیٹی[۸]شعبۂ نشرواشاعت[۱۰]امام ربانی لائبریری۔

ان کی قدرے تفصیل حسب ذیل ہے :

نوری دارالافتا :علاقے کی ضرورت کے پیش نظر ”نوری دارالافتا“ کاقیام عمل میں آگیاہے ۔الحمدللہ ! قیام کے مختصر سے عرصے میں کثرت سے فقہی سوالات آرہے ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ان کے تحقیقی جوابات روانہ کیے جاتے ہیں ۔اس کام کے لیے ایک جواں سال مفتی کاانتظام ہے ۔جو درسگاہ ہی ذمہ داریوں کے ساتھ فتویٰ نویسی کا کام بھی احسن طریقے سے انجام دیتے ہیں۔

شعبۂ عالیہ: درجہ اعدادیہ سے جماعت خامسہ تک تعلیم دی جاتی ہے۔اس میں انگریزی حساب اور ہندی بھی شامل درس ہے۔نصاب تعلیم جامعہ اشرفیہ مبارک پوراعظم گڑھ یوپی کا ہے۔

شعبۂ حفظ وقرأت: اس شعبے میں حفظ بالحدر کی عمدہ تعلیم کااہتمام ہے۔ اس شعبے کے طلبہ بھی اردو،انگریزی ، حساب اور دینیات کی تعلیم لازمی طور پر حاصل کرتے ہیں ۔حفظ کے طلبہ کے لیے ہر جمعرات کوشیبنے کااہتمام کیاجاتا ہے۔

شعبۂ کمپیوٹر: اس شعبے میں طلبہ کوکمپیوٹر کی تعلیم دی جاتی ہے۔اوردارالعلوم کے نشرواشاعت کابھی کام بحسن وخوبی انجام دیاجاتا ہے۔اس کے لیے ایک ماہر کمپیوٹر ”مولانا“ کاانتخاب کیاگیاہے۔ جوشب وروزاسی کام میں منہمک رہتے ہیں۔

دارالعلوم کی تعمیرات:

روحانی جامع مسجد: دارالعلوم کے احاطہ میں ایک عظیم الشان اور تاریخی مسجد قائم ہے،جس کا سنگ بنیاد مرشد برحق ،سراج الاولیا حضور علامہ الحاج سید نورعلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقدس ہاتھوں سے رکھا گیاہے۔تقریبًا ۳۹/ لاکھ کی لاگت سے چھت پلاسٹر،ماربل اور صحن کی چھت کا کام ہو چکاہے۔ابھی گنبد،صحن ، پلاسٹراوررنگ وروغن باقی ہے۔

روحانی مینارہ: روحانی مسجد کے پہلومیں ایک بلند قامت ”روحانی مینارہ“ کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے۔جس میں اب تک ۴۲/ لاکھ روپے خرچ ہو چکے ہیں،ابھی اندرونی پلاسٹر اور ماربل کا کام باقی ہے۔

روحانی عیدگاہ : دارالعلوم کے احاطے میں ایک ” عیدگاہ“ بھی قائم ہے جس میں ” پاچھورسیا“اوراطراف واکناف کے پانچ ہزار سے زائد لوگ عیدوبقر عید کی نمازاداکرتے ہیں۔

روحانی ہاسٹل: اس میں چھوٹے بڑے ۲۵/ کمرے ہیں ،جن میں مختلف درجات کی درس گاہیں لگتی ہیں۔طلبہ اوراساتذۂ کرام کی رہائش گاہیں بھی ان ہی میں ہیں۔

ڈائننگ ہال: اس میں تمام طلبہ صف بہ صف سلیقے سے صبح وشام خوردونوش کرتے ہیں۔

دارالعلوم کے زیر اہتمام جلسوں اور کانفرنسوں کاانعقاد:

۱۹۶۹ء سے لے کر ۱۹۹۴ء تک ہر دو تین سال پر ایک ضلعی سطح پر تاریخ ساز جلسہ بنام” نورالکونین کانفرنس “منعقد ہوتا رہا۔ پھر ۱۹۹۴ء سے اب تک ہر سال ۲۳/ رجب المرجب کی مبارک تاریخ میں قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین،سراج بزم اولیاے کاملین،اعرف الاتقیا، حضورسید محمد روحانی باباعلیہ الرحمۃ والرضوان[جن کا مزاراقدس افغانستان میں ہے]کی پُر تنویربارگاہ میں فاتحہ اورایصال ثواب کے نذرانے پیش کرنے کے لیے سالانہ ”تقریب روحانی وجشن دستاربندی“۔ پھر ۲۰۱۸ء سے ”تقریب روحانی وتذکرۂ خدمات حضورعالی مع جشن دستاربندی“ کاانعقاد ہورہاہے۔جس میں فارغ ہونے والے طلبہ کو”جبہ ودستار“ دی جاتی ہے۔ہزاروں عوام وخواص شرکت فرماتے ہیں اوردارالعلوم کے علمی کارناموں کودیکھ کرمحبت ووفا کانذرانہ پیش کرتے ہیں۔

بفضلہ تعالیٰ ! دارالعلوم کواپنی قوم کااتنااعتماد حاصل ہے کہ تعلیم وتعمیر کے سلسلے میں کسی قابل ذکر پریشانی کے بغیراس کاہرکام وقاروسکون اوراعتدال وتوازن کے ساتھ جاری ہے اور تعلیمی اورتعمیری کارواں اپنی منزل کی جانب پورے ولولہ وترنگ کے ساتھ رواں دواں ہے۔ان ساری خدمات کی بنیاد پراپنے دینی مرکز”دارالعلوم فدائیہ نوریہ پاچھورسیا“کی زکوٰۃ، صدقات اور خصوصی عطیات سے امداد فرمائیں۔

☆☆☆

نوائے قلم

درخشاں مستقبل کی تلاش

ماہ صفر المظفر: چند اوہام کی تردید

سہ ماہی پیغام مصطفیٰ کا یہ مستقل کالم ہے جو طلبہ مدارس اسلامیہ کے لیے خاص ہے، اس کالم کا مقصد طلبہ کے اندر مضمون نگاری کا ذوق پیدا کرنا ہے، رسالے کے ہر شمارے میں طلبہ کے مختصر مضامین شائع کیے جائیں گے۔ **محمد ساجد رضا مصباحی**

محمد علاء الدین صابر: متعلم: جامعہ مخدومیہ سراج العلوم، جاج مئو، کان پور

صفر المظفر یہ اسلامی سال کا دوسرا مہینہ ہے، یہ صِفر بالکسر سے ماخوذ ہے، جس کے معنیٰ خالی کے ہے۔ یہ مہینہ محرم الحرام کے بعد آتا ہے، اس ماہ کو صفر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ماہ محرم میں جنگ و قتال حرام تھی، مگر جب صفر کا مہینہ آتا تو عرب کے لوگ جنگ کے لیے چلے جاتے اور گھروں کو خالی چھوڑ دیتے تھے اس لیے اس کو صفر کہتے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں جہالت و نادانی، ناواقفیت و ناآشنائی کا چوں کہ حد درجہ غلبہ ہے اس وجہ سے غیر قوموں کی دیکھا دیکھی بہت سارے موضوعات، خرافات وواہیات کو ہم نے بھی اپنے درمیان رواج و فروغ دیدیا ہے۔ ایسے بدعات کی چوں کہ بڑی لمبی فہرست ہے، علمائے اہل سنت کی اس سے متعلق مستقل کتابیں معرض وجود میں آچکی ہیں۔

زیر نظر مقالے میں فقیر کا منشو دان بدعات و خرافات کی نشان دہی کرنا ہے جو ماہ صفر المظفر سے متعلق لوگوں نے اپنے زعم فاسد سے اختراع کر لیا ہے۔

ماہ صفر میں نحوست نہیں:

شریعت سے یکسر ناآشنا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ماہ صفر میں خصوصیت کے ساتھ آسمان سے مصائب و آلام کا نزول ہوتا ہے، اسی وجہ سے اس ماہ میں سفر کرنے، شادی بیاہ کرنے اور کسی بھی نیے کام کے افتتاح سے گریز کرتے ہیں۔ یاد رہے صفر بھی عام مہینوں کی طرح ایک مہینہ ہے اور یہ ہرگز شدائد و مکارہ کے نزول کا سبب نہیں بلکہ سبب اصلی تو ہمارے سیاہ کارنامے ہیں، جس کی صراحت قرآن حکیم میں بھی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ،،

ترجمہ: اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمھارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو معاف فرما دیتا ہے۔ [الشوریٰ، آیت: ۳۰]

ماہ صفر کو منحوس سمجھنے کا منحوس نظریہ دور جاہلیت ہی سے ہے یہی وجہ ہے کہ کثیر احادیث کریمہ میں حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صراحۃً اس کی پاک دامنی کا اظہار فرمایا ہے، اور اس کے فضائل و محامد سے لوگوں کو روشناس کیا ہے۔ ارشاد رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے:

عن ابی هریرة قال، قال رسول الله صلی الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: لا عدویٰ و لا صفر،،

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیماری اڑ کر نہیں لگتی، صفر منحوس نہیں۔ [صحیح بخاری، ج: ۲، کتاب الطب، حدیث: ۵۷۵۷]

اس کی نشان دہی شیخ محقق علامہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی کی ہے۔

لمعات التنقیح میں ہے:

زعموا ان فیه تکثر الدواهی والفتن و کا نوا یستشئمون بدخول صفر فنفاه الشرع »۔

یعنی: ان لوگوں کا یہ زعم فاسد تھا کہ صفر میں مصیبتیں کثرت سے نازل ہوتی ہیں نیز وہ لوگ اس سے بدشگونی بھی لیتے تھے تو شریعت نے اس کی بیخ کنی فرمائی۔ [لمعات التنقیح، ج:۷، ص:۵۲۷]

اسی حدیث پاک کو مدنظر رکھتے ہوئے فقیہ اعظم صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تحریر فرمایا:

ماہ صفر کو لوگ منحوس جانتے ہیں اس میں شادی بیاہ نہیں کرتے، لڑکیوں کو رخصت نہیں کرتے اور بھی اس قسم کے کام کرنے سے پرہیز کرتے ہیں، اور سفر کرنے سے بھی گریز کرتے ہیں، خصوصاً ماہ صفر کی ابتدائی تیرہ تاریخیں بہت زیادہ نجس مانی جاتی ہیں، اور ان کو تیرہ تیزی کہتے ہیں، یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔

حدیث پاک میں فرمایا کہ ''صفر کوئی چیز نہیں'' یعنی لوگوں کا اسے منحوس سمجھنا غلط ہے۔ اسی طرح ذوالقعدہ کے مہینہ کو بھی بہت لوگ برا جانتے ہیں اور اس کو خالی کا مہینہ کہتے ہیں یہ بھی غلط ہے، اور ہر ماہ میں ۳، ۱۳، ۲۳، ۸، ۱۸، ۲۸ کو منحوس جانتے ہیں یہ بھی لغویات ہے۔ [بہار شریعت، ج:۳، حصہ: ۱۶، ص:۶۵۹، مکتبۃ المدینہ]

ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں:

ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کی حقیقت اور اس کے بدعات سے متعلق بہار شریعت کا یہ اقتباس بہت جامع ہے: فرماتے ہیں:

ہندوستان میں بہت منایا جاتا ہے، لوگ اپنے کاروبار بند کر دیتے ہیں، سیر و تفریح و شکار کو جاتے ہیں، پوریاں پکتی ہیں اور نہاتے دھوتے خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس روز غسل صحت فرمایا تھا اور بیرون مدینہ طیبہ سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ یہ سب باتیں بے اصل ہیں، بلکہ ان دنوں میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرض شدت کے ساتھ تھا، وہ باتیں خلاف واقع ہیں۔

اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس روز بلائیں آتی ہیں اور طرح طرح کی باتیں بیان کی جاتی ہیں سب بے ثبوت ہیں، بلکہ حدیث پاک کا یہ ارشاد ''لا صفر'' یعنی صفر کوئی چیز نہیں ایسی تمام خرافات کو رد کرتا ہے۔ [بہار شریعت، ج:۳، ح:۱۶، ص:۶۶۰]

ایک تنبیہ نبیہ:

واٹس ایپ اور فیس بک استعمال کرنے والوں پر یہ بات آسمان بے سحاب کی طرح عیاں ہے کہ جب کسی خاص مہینے کی آمد ہوتی ہے تو بڑی تیزی کے ساتھ اس ماہ کی مبارک بادی کے ساتھ ایک خود ساختہ پیغام بشکل حدیث گردش کرنے لگتا ہے کہ جو اس مہینہ کی آمد کی خبر سب سے پہلے دے گا اس پر جنت واجب ہے، اور اس کا انتساب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کی طرف کر دیا جاتا ہے۔ اس کے شرعی حکم کی وضاحت سے قبل ایک حدیث شریف ٹھنڈے دل سے پڑھ لیجئے، پھر فیصلہ کیجئے کہ آپ مذلت و ہوان کے کس قعر عمیق میں گرے جا رہے ہیں۔

صحیح بخاری شریف میں ہے:

من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار»

ترجمہ: جو شخص مجھ پر دانستہ جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تلاش کرے۔ [صحیح بخاری، ج:۱، ص: ۵۲، حدیث: ۱۱۰]

یہ حدیث پاک بے شمار کتب احادیث میں کثیر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے، امام ابن الصلاح نے مقدمۂ ابن الصلاح میں یہ صراحت کی ہے کہ اس حدیث کا تواتر مسلم الثبوت ہے، کسی بھی محدث کے اندر اس کے تواتر کے انکار و نفی کی مجال و مساغ نہیں۔

☆☆☆

پیغامات

گزشتہ شمارے پر اک نظر

محترم چیف ایڈیٹر سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور بنگال
سلام مسنون

سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور بنگال کا شمارہ جون تا اگست نظر نواز ہوا، حسب سابق سرورق دیدہ زیب اور مشمولات بہت ہی عمدہ ہیں، اداریے میں آپ نے تدریس کے حوالے سے اساتذۂ مدارس کی منصبی ذمے داریوں کو بہت ہی اچھوتے انداز میں بیان کیا ہے، یقینا طلبہ کی شخصیت سازی میں اساتذہ کا اہم کردار ہوتا ہے، اسی لیے اساتذہ روحانی باپ کہے جاتے ہیں۔آپ نے جن نکات پر روشنی ڈالی ہے ان کو عملی جامہ پہنانے کی شدید ضرورت ہے۔

خانقاہ مارہرہ مطہرہ کی جلیل المرتبت شخصیت، علم وادب کی دنیا میں اپنی امتیازی شناخت رکھنے والے ادیب وفنکشن نگار حضرت سید محمد اشرف مارہروی کا مضمون ”موثر تحریر وخطابت کے تقاضے“ یقینا دل کو چھو لینے والا ہے، حضرت نے جن امور پر روشنی ڈالی ہے وہ سو فیصد حقیقت پر مبنی ہیں، تحریر میں اثر آفرینی اور خطابت کو با مقصد بنانے کی سخت ضرورت ہے، ورنہ ہماری کوششیں بار آور نہیں ہو سکیں گی۔

سہ ماہی پیغام مصطفیٰ کے ایک سالہ سفر کی تکمیل پر مولانا محمد عابد چشتی کا تجزیاتی مضمون دل چسپی کے ساتھ پڑھا، انہوں نے بڑے خوب صورت پیرائے میں رسالے کی مقبولیت اور ادارتی ٹیم کی حصول یابیوں کو اجاگر کیا ہے۔شیر بنگال حضرت مولانا غیاث الدین علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات وخدمات پر مولانا مظفر حسین رضوی کا مضمون خاص اہمیت کا حامل ہے، شخص وعکس کے کالم کے ذریعہ آپ نے اسلاف شناسی کا جو سلسلہ شروع کیا ہے وہ بہت ہی مبارک ہے، اسے جاری رکھیں۔اہل سنت کی دور افتادہ اور غیر معروف مگر مخلص علمائے اہل سنت کی خدمات کو اجاگر کرنے کے لیے اس کالم کو ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔

مفتی عبد الخبیر اشرفی مصباحی کا مضمون ”امام احمد رضا بریلوی اور خانودہ کچھوچھہ مقدسہ — روابط وتعلقات“بہت ہی قیمتی اور معلوماتی ہے، اللہ تعالیٰ مفتی صاحب موصوف کو سلامت رکھے۔تعارف مدارس اور نوائے قلم کے کالمز رسالے کی رسالے کے مشمولات میں تنوع پیدا کرتے ہیں، نقد ونظر کا کالم بھی اہمیت کا حامل ہے۔

کاش اتر دیناج پور سے نکلنے والا یہ مجلہ سہ ماہی کی بجائے ماہ نامے کی صورت اختیار کرتا، لیکن یہ کام کس قدر مشکل ہے، آپ کو اس کا اندازہ ہم لوگوں سے زیادہ ہوگا، آج عموما لوگ رسائل مفت میں پڑھنا چاہتے ہیں، خرید کر پڑھنا بہت ہی گراں ہوتا ہے، ایسے میں رسالے کے اخراجات پورا کرنا یقینا دشوار گزار مرحلہ ہوتا ہے، لیکن اللہ کا کرم ہے کہ سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اس مرحلے کو بحسن وخوبی طے کر رہا ہے اور ان شاءاللہ آئندہ بھی طے کرتا رہے گا۔

شفیق احمد مصباحی
استاذ دار العلوم غریب نواز داہو گنج کشی نگر

فکر وفن کا کارواں آگے بڑھ رہا ہے

معلی القاب، محترم مدیر اعلیٰ سہ ماہی ”پیغام مصطفیٰ“ اتر دیناج پور،
سلام مسنون　　　　خیریت طرفین نیک مطلوب

چند دنوں پہلے آپ کا ارسال کردہ رسالہ ”پیغام مصطفیٰ“ کا پانچواں شمارہ بہ دست محب گرامی مولانا محمد عسجد رضا موصول ہوا۔اس کرم فرمائی پر آپ کا بہت شکریہ! پہلی بار سہ ماہی ”پیغام مصطفیٰ“ میرے مطالعہ کی میز پر ہے۔رسالہ صوری ومعنوی دونوں اعتبار سے دیدہ زیب اور معیاری ہے۔تمام مضامین ومندرجات بہت ہی اچھے اور معلوماتی ہیں، اور آپ کے اداریہ کا پوچھنا ہی کیا، منظر نگاری، پر کشش تراکیب، زبان کی درستگی، بیان کی برجستگی، خیال کی شگفتگی اور رواں دواں پیرایۂ اظہار کے ذریعہ آپ نے اداریہ کو اتنا دلچسپ بنا یا دیا ہے کہ درس وتدریس کا ذوق رکھنے والا قاری گرویدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ہمیں فخر ہے کہ ہمارا کاروانِ فکر وفن آپ کے عہد میں آگے بڑھ رہا ہے۔اور آپ کے عرشی قیادت میں علمائے اہل سنت اور دانش ورانِ عصر کہکشاں کی طرح بے سمت مسافروں کو سوے حرم کا نشان بتا رہے ہیں۔

آپ کے اس مجاہدانہ عمل میں قدم بہ قدم خدا کی رحمتیں شامل حال ہوں اور اس زہرہ گداز کام کی آپ کو توفیق خیر ملے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی ٹیم کو درازئ عمر بالخیر عطا فرمائے۔ اتحاد واتفاق کی فضا کو افتراق کے تکدر سے محفوظ رکھے۔آمین یارب العلمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

محمد صابر عالم مصباحی
صدر مفتی وناظم تعلیمات دار العلوم فدائیہ نوریہ پاچھور سیا، اسلام پور، ضلع اتر دیناج پور، مغربی بنگال / موبائل نمبر ۷۰۰۱۴۶۹۱۶۸

سفر آخرت

بحر العرفان حضرت مفتی آفاق احمد مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصال

بحر العرفان حضرت مفتی محمد آفاق مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جماعت اہل سنت کے قدآور اور بزرگ عالم دین تھے، اتر پردیش کے معروف شہر قنوج میں انھوں نے علم وادب اور تصوف وروحانیت کا ایک خوش رنگ گلستاں آباد کیا تھا جس کی خوشبوؤں سے ایک بڑا حلقہ معطر رہا کرتا تھا، انھوں نے دینی وعصری تعلیمی اداروں کا ایک مضبوط نیٹ ورک بھی تیار کیا تھا، قوم وملت کے حوالے سے ان کی گراں قدر خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ قضائے الٰہی سے ۹؍ ذی قعدہ ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۳؍ جولائی ۲۰۱۹ء کو ان کا وصال پر ملال ہو گیا، یقیناً ان کی رحلت حلقۂ علم وادب کا ایک عظیم خسارہ ہے، سہ ماہی پیغام مصطفیٰ کے جملہ ارکان حضرت کے پس ماندگان کی خدمت میں تعزیت پیش کرتے ہوئے، جماعت اہل سنت کے چند عبقری علما ومشائخ کی تعزیتی تحریریں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ **محمد ساجد رضا مصباحی**

شیخ طریقت حضرت سید امین میاں قادری دام ظلہ، زیب سجادہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا　　ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

ایک وجیہہ، پروقار، متقی، پرہیزگار، صاحب حال، صاحب دل، علم وفن کا سفیر، اپنی ذات میں بے نظیر، مجدد الف ثانی اور مجدد دین وملت کا شیدائی، واقف رموز شریعت وطریقت، پروانۂ برکاتیت، آفاقی شہرتوں کے مالک حضرت علامہ مفتی محمد آفاق صاحب نقشبندی مجددی برکاتی اپنی متحرک شخصیت کی خوشبوؤں سے سرزمین قنوج کو مزید معطر کرتے ہوئے جنت کی خوشبوؤں میں جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ رسمی اور تعزیتی جملہ نہیں بلکہ سو فیصد دل کی آواز اور حق بات ہے کہ دنیائے سنیت کو مفتی صاحب علیہ الرحمہ والرضوان کی اشد ضرورت تھی۔ وہ ان صاحب کمال شخصیتوں میں تھے جنھوں نے اس امت کو علم نافع سے جوڑنے کے لیے کمر توڑ محنت کی اور علم وفن کے ایسے لالہ زار تیار کیے جو دوسروں کے لیے قابل تقلید ہیں۔ یہ وہ انجمن تھی جس میں صرف تحریک ہی تحریک نظر آتی تھی۔ متعدد اداروں کے بانی، درجنوں کتابوں کے مصنف، عابد وزاہد ومتقی ومبلغ، ایک باعمل خطیب اور اپنی ذات میں ایک بے حد مخلص، باادب، سنجیدہ، متین اور بے حد خوددار، خوش فکر، خوش ذہن شخصیت کے حامل ہمارے مفتی صاحب ہم کو بہت یاد آئیں گے۔ ان کا متبسم چہرہ جوان کی نیکیوں اور پاکیزگی کا عکاس تھا وہ ہمیشہ ہمارے ذہن ودل میں گردش کرتا رہے گا۔

ان کی سادگی بھی قنوج کے عطر کی طرح مشہور تھی۔ ہم نے شاذونادر ہی کسی عالم، مفتی یا شیخ کو اتنے سادہ لباس میں دیکھا ہو۔ انکساری ایسی تھی کہ اتنے بڑے اداروں کے بانی، ہزاروں وفادار مریدوں کے شیخ طریقت کو اگر مارہرہ میں تلاش کرنا ہو تو وہ پیکر انکسار خانقاہ برکاتیہ کے صدر دروازے کی پٹیہ پر بیٹھا مل جائے گا۔ اسی اخلاص اور انکسار نے مفتی صاحب قبلہ کو اتنا معروف ومحبوب کر دیا کہ سواد اعظم کے خوش عقیدہ مسلمان ہی نہیں بلکہ اطراف وجوانب کے اہل وطن اور سیاسی رہنما بھی اس بے نیاز ذات والا کی قدم بوسیاں کرتے تھے۔

خانقاہ برکاتیہ کا ہر فرد آج سوگوار ہے۔ ہم اور ہمارے تمام متوسلین ومتعلقین اپنے پیر خانے کے محبوب ترین خلیفہ کی رحلت پر کف افسوس ملتے ہوئے دعا کر رہے ہیں کہ مولیٰ عزوجل امت کی خیر خواہی کرنے والے اور اہل اسلام کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے والے اس

مخلص قائد کانعم البدل عطافرمائے۔

مفتی صاحب کی رحلت کے بعد صرف ان کا گھر اور گھرانا ہی پسماندگان میں نہیں ہے بلکہ اہل سنت وجماعت کا ہر وہ مخلص فرد ان کے پسماندگان میں ہے جس کے دل میں ملت اسلامیہ کا درد ہے۔

ہم دعاکرتے ہیں کہ رب کریم ہمارے مفتی محمد آفاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درجات کو بلند فرمائے اور ہم سب کو اور بالخصوص ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطافرمائے۔ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے علمی مشن کو دن دونی ترقی عطافرما اوران کے وارثین کو ان کے نقش قدم پر چلاتے ہوئے دین متین کی خوب خوب خدمت کرنے کی توفیق عطافرما۔آمین بجاہ سیدالمرسلین ﷺ ۔(فقط والسلام)

سید محمد امین قادری

سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ

سید نجیب حیدر نوری

سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ

☆☆☆

خیر الاذکیا علامہ محمد احمد مصباحی، ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

باسمہ وحمدہ تعالیٰ وتقدس

بملاحظہ اولاد و متعلقین بحر العرفان مفتی آفاق احمد مجددی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

قلم تو آپ لوگوں کی تعزیت کے لیے اٹھایا ہے مگر خود اپنے احساسات پہلے بیان کرنا چاہتا ہوں۔

بحر العلوم اس دور قحط الرجال میں ایک نادر روزگار ہستی تھے۔ بڑے محاسن وکمالات کے حامل اور عوام وخواص کے لیے قابل تقلید نمونہ تھے۔ان کی متعدّد خصوصیات اور خوبیوں سے میں بہت زیادہ متاثر ہوں:

❶ دین کا درد اور عوام کی فلاح وبہبود کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

❷ اخلاق حسنہ کے پیکر، متواضع، منکسر المزاج اور بہت ملنسار تھے۔

❸ لوگوں کے دکھ درد اور خوشی وغمی میں شرکت ان کی فطرت تھی۔

❹ قنوج میں انھوں نے قدم رکھا تو دینی وتعلیمی چہل پہل سے وہ بڑی حد تک خالی تھا،انھوں نے اپنی ثابت قدمی اور جہد مسلسل سے اسے علم وعمل کا گہوارہ بنادیا۔

❺ شہر میں الجامعۃ الاحمدیہ قائم کیا جس میں ابتدا سے فضیلت تک تعلیم ہونے لگی اور وہ دور ونزدیک کے کثیر طلبہ کا مرجع وماویٰ بن گیا۔

❻ بنات کے لیے بھی ادارہ بنایا جہاں وہ زیور علم سے آراستہ ہونے لگیں۔

❼ کئی اسکول قائم کیے جن میں دینی ماحول میں عصری تعلیم کے شائقین کی تعلیم وتربیت جاری ہوئی۔ وہ دینی وعصری دونوں طرح کی تعلیم کے لیے ہمیشہ فکر مند رہتے۔اور مسلم نسل کی ہر میدان میں ترقی کے لیے کوشاں رہتے۔

❽ عوام وخواص عموماً علم تو حاصل کر لیتے ہیں مگر باطنی تربیت،ذکر وفکر اور مراقبہ وغیرہ سے غافل رہتے ہیں۔مفتی صاحب نے خانقاہ مجددیہ قائم کرکے تزکیہ قلب اور معمولات صوفیہ کی عملی تربیت کے لیے اپنی مساعی جمیلہ صرف کیں۔

❾ قرب وجوار کے علما اور عوام سے رابطہ رکھتے ہوئے مشکلات میں ان کی رہ نمائی و دست گیری کے لیے سرگرم رہے۔

❿ حکام اور سماج کے سربرآوردہ افراد سے بھی کسی قدر رابطہ رکھ کر لوگوں کے مسائل اور پیچیدہ معاملات میں مناسب امداد بہم پہنچانے

کی سعی جمیل فرمائی۔

⓫ اتنے سارے مشاغل کے ساتھ تعلیم وتدریس سے بھی رابطہ استوار رکھا اور طلبہ کی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لیے توجہ صرف کرتے رہے۔

صحیح بخاری شریف کا درس پابندی سے دیتے اور اس شان سے کہ دونوں جلدیں مکمل ختم کراتے۔ اسفار اور تبلیغی دوروں کے باعث تکمیل بخاری کے لیے اوقات نکالنے میں بڑی مشقت بھی پیش آتی مگر کتاب کا درس ناتمام نہ چھوڑتے۔ ان کی یہ خصوصیت انھیں اس زمانے کے شیوخ حدیث سے ممتاز کرتی ہے۔

استاذ گرامی حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز مرادآبادی علیہ الرحمہ جب تک دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں شیخ الحدیث وصدرالمدرسین رہے، ہر سال حرفاحرفاً تکمیل بخاری کا اہتمام کیا۔ اب تو مدارس میں اس اہم کتاب کی تدریس بھی دوسری بہت سی کتابوں کی طرح صرف بطور تبرک یا بطور نمونہ رہ گئی ہے۔

⓬ حیرت یہ ہے کہ مذکورہ جملہ مصروفیات کے باوجود مفتی صاحب نے قرطاس وقلم سے بھی رشتہ مضبوط رکھا۔ تقریباً پچاس کتابیں لکھیں، جو تصوف وطریقت سے تعلق رکھتی ہیں۔ انھوں نے دیکھا کہ دیگر موضوعات وعلوم پر تو بہت سے لوگ لکھ رہے ہیں لیکن آداب ذکر ومراقبہ اور اسرار تصوف کی طرف توجہ بہت کم ہے، اس لیے اپنے قلم کا محور اسی کو بنایا۔

⓭ ہر سال وہ شہر قنوج میں ایک عظیم الشان کانفرنس بھی منعقد کرتے جس میں علما وخطبا کے ذریعہ عوام کے لیے دانشوروں کے ذریعہ مسلمانوں کے دینی قومی تعلیمی سماجی مسائل ومشکلات پر تبادلۂ خیالات ہوتا، قیمتی مقالات پیش ہوتے اور ان کی فلاح وترقی کے لیے مناسب رائیں سامنے آتیں تاکہ لوگوں کی زندگی صحیح سمت میں سرگرم سفر ہو۔

⓮ وہ مسلمانوں کے معاملات ومسائل کے لیے ہمیشہ فکر مند رہتے اور بغیر کانفرنس اور سیمینار کے بھی ارباب علم ودانش سے تبادلۂ خیالات اور مناسب تجاویز جاننے اور عمل میں لانے کی کوشش کرتے۔

⓯ میری نظر میں ایسا دردمند، ایسا مخلص، ایسا منکسر، بے تصنع اور اتنی خوبیوں کا جامع انسان ملنا بہت مشکل ہے۔ خدا کا فضل شامل حال ہو تو کچھ افراد مل کر ان کے کاموں کا تسلسل باقی رکھ سکتے ہیں۔ رب کریم توفیق خیر سے نوازے۔

مولا تعالیٰ موصوف کی لغزشوں سے درگزر فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے، پس ماندگان کو صبر جمیل واجر جزیل سے نوازے، ان کے نقوش قدم پر گام زن رکھے اور ان کے قائم کردہ تمام اداروں بلکہ ان کے سارے مشن کو قوت وتوانائی کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق جمیل مرحمت فرمائے۔ وھو المستعان، وعلیہ التکلان.

شریک غم: **محمد احمد مصباحی**

نگران المجمع الاسلامی وناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ

مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی

۱۳/ ذی قعدہ ۱۴۴۰ ۱۷/ جولائی ۲۰۱۹ چہار شنبہ

☆☆☆

علامہ عبدالمبین نعمانی مصباحی: بانی دارالعلوم قادریہ چریا کوٹ مئو یوپی

۱۳ جولائی ۲۰۱۹ء [۹/ ذی قعدہ ۱۴۴۰ھ] بروز شنبہ جماعت اہل سنت کے ایک صوفی صفت آفاقی عالم دین، فکر رضا کے امین، حضرت مولانا آفاق احمد نقش بندی مجددی علیہ الرحمہ اس دار فانی سے رخصت ہو کر عالم جاودانی میں جا بسے، انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعُون

مولانا کی شخصیت حرکت وعمل سے عبارت تھی، جہاں آپ نے تعلیم وتربیت کی جوت جگائی اور عظیم جامعات کی بنیاد ڈالی، وہیں ارشاد وہدایت اور فروغ روحانیت کے میدان میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔

بریلی شریف عرس اعلیٰ حضرت اور عرس قاسمی برکاتی مارہرہ شریف میں متعدّد بار ملاقات ہوئی، بڑے تپاک اور حسن سلوک سے پیش آتے تھے، ایک بار راقم الحروف کو ختم بخاری شریف کے لیے بھی قنوج میں مدعو کیا اور ناچیز حاضر بھی ہوا، اور ان کے مراحم خسروانہ سے متاثر و محظوظ بھی۔

ان کے جامعہ کا نام ''الجامعۃ الاحمدیہ'' ہے جو قنوج میں واقع ہے۔

تصوف کے موضوع پر مولانا نے کئی کتابیں بھی تصنیف کیں، سلسلہ نقش بندیہ کے ایک بڑے اور مقبول مرشد تھے، جن کا حلقہ ارادت بڑا وسیع ہے۔

ناچیز ان کے لیے دعاے مغفرت و رحمت کرتا ہے، اور پسماندگان کو تعزیت و تسلی سے یاد کرتا ہے، مولیٰ عزوجل ان کے قائم کردہ اداروں کی حفاظت فرمائے اور متعلقین و پسماندگان کو توفیق بخشے کہ ان کی علمی و روحانی یادگاروں کی بقا اور ترقی کی فکر کریں، اور ان کو مزید آگے بڑھانے اور چھوڑے ہوئے کاموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا حوصلہ دے، رب العزت مرحوم کی قبر کو رحمت و نور سے بھر دے

آمین بجاہ سید المرسلین علیہ و آلہ و صحبہ الصلوۃ والتسلیم

از علامہ محمد عبدالمبین نعمانی دارالعلوم قادریہ چریاکوٹ مئو

۱۱/ذی قعدہ، ۱۴۴۰

☆☆☆

مولانا خواجہ مشتاق احمد نظامی: پرنسپل مدرسہ مخدومیہ سراج العلوم، جاج مئو کان پور

ویسے تو قنوج کی سرزمین اپنے عطریات کی وجہ سے ساری دنیا میں متعارف تھی، مگر اب روحانی خوشبو کے حوالے سے بھی مدتوں یاد کی جائے گی۔ آج کے ہمہ جہتی انحطاط کے دور میں خاموشی کے ساتھ دین کی ہر سطح پر، مختلف شعبہ ہائے حیات میں عصر حاضر کی معروف علمی و روحانی شخصیت، بحر العرفان حضرت علامہ مفتی آفاق احمد نقش بندی مجددی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے جو عطر بیزیاں کی ہیں، وہ قابل ستائش ہی نہیں، لائق تقلید بھی ہیں۔ قدیم صالح اور جدید نافع کی عملی ترویج، علم کے ساتھ تقویٰ و اخلاص کا لازمہ، فقاہت کے ساتھ حکیمانہ تدبر، آفاقی فکر کے ساتھ تحریکی مزاج اور انتہائی شہرت و مقبولیت کے باوجود بے پناہ تواضع وانکساری ان کی شخصیت کے امتیازی اوصاف تھے۔ ان کا شمار ہندوستان کے اکابر سنی علما میں ہوتا تھا۔ دور حاضر میں جہاں آپ مجدد الف ثانی کے افکار و خیالات کی ترویج و اشاعت کے حوالے سے دنیا کی معروف ترین شخصیت تھے۔ وہیں ہندوستانی تعلیمی اداروں اور ان کی کارکردگی سے دیگر اسلامی ممالک کو روشناس کرانے میں کلیدی رول ادا کیا ہے۔ آپ نہ صرف عالمی رابطے کے خواہاں تھے، بلکہ اپنے قیمتی اوقات کا خاصہ حصہ ملک کے چھوٹے بڑے مدارس میں جا جا کر ''خذ ما صفا دع ما کدر،، کا عملی نمونہ پیش کرنے میں دیا کرتے تھے۔ یہ بات کم از کم ہندوستانی سطح پر کہی جا سکتی ہے کہ سلسلہ نقش بندیہ کی تعلیمی، تحریکی اور روحانی فیض بخشیوں کے جو سوتے مدتوں سے خشک پڑے تھے، آپ نے تینوں سوتوں کو آب سیال سے لبالب کر دیا۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ ایک آدمی بیک وقت اچھا مدرس، بہترین روحانی پیشوا اور کامیاب محرک ہو، مگر آپ کی شخصیت میں یہ تینوں مختلف الجہات اوصاف بڑے سلیقے اور انتہائی خوب صورتی کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔ ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ آج کی مشربی نفسا نفسی کے دور میں بھی آپ ان خوش نصیب اساطین میں سے تھے، جنہیں بلا تفریق ہر خانقاہ میں یکساں مقبولیت حاصل تھی، جو اس دور میں بہت بڑی بات ہے۔ ان کے انتقال پر ملال سے نہ صرف ان کے اہل خانہ، لواحقین و متوسلین، بلکہ ہر احساس مند دل کو صدمہ پہنچا ہے۔ ہمیں وہ بار بار یاد آئیں گے، اور ہر بار ایک نئے خسارے کا احساس ہوگا۔ اللہ جل مجدہ ان کی خوشبوؤں کو تادیر قائم رکھے۔ اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

احقر العباد: خواجہ مشتاق احمد رضوی نظامی

پرنسپل: مدرسہ مخدومیہ سراج العلوم، جاج مئو کان پور

☆☆☆

سرگرمیاں

سہ ماہی پیغام مصطفیٰ کی سالانہ میٹنگ کا انعقاد

مورخہ ۴؍ شوال المکرم ۱۴۴۰ھ کو دار العلوم رضائے مصطفیٰ شاہ پور بازار میں سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور کے ارکان مجلس شوریٰ کی سالانہ میٹنگ کا انعقاد ہوا، سرپرستی خلیفۂ مفتی اعظم ہند حضرت مفتی عبد الغفور صاحب قبلہ دام ظلہ نے فرمائی جب کہ صدارت کے فرائض حضرت مولانا مفتی ذوالفقار علی رشیدی مصباحی نے انجام دیے۔ اس نشست میں مجلس مشاورت کے ارکان اور دیگر متعدّد علمانے شرکت فرمائی۔

نشست میں رسالے کے سالانہ آمد و خرچ کا حساب سنایا گیا اور اس کی تفصیلات پیش کی گئیں، سہ ماہی پیغام مصطفیٰ کے مستقل دفتر اور دفتر انچارج کے تقرر پر غور وخوض ہوا اور طے پایا کہ شاہ پور بازا میں مستقل دفتر قائم کر کے رسالے کی ممبر سازی اور ترسیل واشاعت کا کام تیزی کے ساتھ آگے بڑھایا جائے۔

اس موقع پر سرپرست رسالہ حضرت مفتی عبد الغفور صاحب قبلہ نے قلبی مسرتوں کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کہ الحمدللہ رسالہ مکمل کام یابی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے اور علمی وادبی حلقوں میں اپنی جگہ بنانے میں کام یاب ہے، امید ہے کہ آئندہ بھی رسالہ اسی معیار کے ساتھ شائع ہوتا رہے گا۔

حضرت مفتی ذالفقار علی رشیدی مصباحی نے فرمایا کہ سہ ماہی پیغام مصطفیٰ کا بحسن وخوبی ایک سالہ سفر مکمل ہونا یقیناخوش آئند ہے، اس کام یاب سفر کے لیے رسالے کا ادارتی بورڈ اور جملہ معاونین ومخلصین قابل مبارک باد ہیں۔ انہوں رسالے کے حوالے مفید مشوروں بھی نوازا۔

مدیر اعلیٰ حضرت مولانا مفتی محمد ساجد رضا مصباحی نے رسالے سے متعلق متعدّد امور پر مجلس مشاورت کے ارکان سے تبادلہ خیال فر مایا اور سال رواں کے بجٹ کا تخمینہ بھی پیش کیا۔ اس نشست میں جن باقار علمانے شرکت فرمائی ان کے اسما حسب ذیل ہیں:

حضرت مولانا مختار احمد مصباحی ، حضرت مولانا اشتیاق احمد مصباحی ، حضرت مولانا عابد حسین مصباحی ، حضرت مولانا مفتی طاہر حسین مصباحی ، حضرت مولانا مظفر حسین رضوی ، حضرت مولانا مفتی عارف حسین مصباحی ، حضرت مولانا سبحان رضا مصباحی ، حضرت مولانا ضمیر الاسلام مصباحی ، حضرت مولانا غلام محمد ہاشمی مصباحی ، حضرت مولانا مفتی مشتاق احمد رضوی ، اور راقم محمد عسجد رضا رضوی۔

تنظیم عاشقان مصطفیٰ شاہ پور بازار کے صدر جناب ممبر وسیم احمد صاحب نے جملہ مہمانان کی ضیافت کا معقول انتظام اپنی جیب خاص سے کیا، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

محمد عسجد رضا رضوی، ڈیہر ضلع اتر دیناج پور بنگال

جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف میں مفتی آفاق صاحب کی رحلت پر تعزیتی نشست کا انعقاد

جماعت اہل سنت کی معروف شخصیت قاضی شہر قنوج حضرت علامہ مفتی محمد آفاق نقشبندی مجددی کی رحلت پر جامعہ صمدیہ دار الخیر پھپھوند شریف میں ایک تعزیتی نشست کا انعقاد جامعہ کے سربراہ اعلی مفکر اسلام حضرت علامہ الحاج الشاہ سید محمد انور میاں صاحب قبلہ کی سرپرستی میں کیا گیا، اس سے پہلے جامعہ کے سبھی شعبوں کے طلبہ واساتذہ نے مفتی آفاق صاحب کے ایصال ثواب کے لیے منعقد کی گئی قرآن خوانی میں شرکت کی اور جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت علامہ مفتی محمد انفاس الحسن چشتی صاحب قبلہ نے دعاے مغفرت فرمائی۔

تعزیتی نشست سے خطاب کرتے ہوے جامعہ کے شیخ الحدیث و صدر المدرسین حضرت علامہ الحاج مفتی محمد انفاس الحسن چشتی صاحب قبلہ نے اپنے تعزیتی بیان میں فرمایا کہ حضرت مفتی محمد آفاق نقشبندی صاحب جماعت کے ایک سچے اور مخلص داعی و مبلغ تھے، آپ نے متعدّ د دینی وملی خدمات انجام دی ہیں، بلا شبہہ ان کا دنیا سے تشریف لے جانا جماعت کے لیے ایک زبردست خلا ہے، اللہ کریم ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ان کے درجات بلند فرماے، ان کے پسماندگان کو صبرواجر سے نوازے۔

جامعہ کے سربراہ اعلیٰ حضرت علامہ ومولانا شاہ سید محمد انور میاں صاحب قبلہ نے ان کے انتقال پر گہرے رنج وغم کا اظہار فرماتے ہوے ان کے پسماندگان کے لیے صبرواجر کی دعا فرمائی، تعزیتی پروگرام میں جامعہ کے سبھی شعبوں کے اساتذہ اور طلبہ نے شرکت کی۔

رپورٹ: **حضرت غلام جیلانی مصباحی**، استاذ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف

The Paigham-e-Mustafa Quarterly
Under Management: **Tanzim Ashiqane Musstafa,** Shahpur Bazar
P.S. Goalpokher, Uttar Dinajpur, West Bengal - 733210
E-mail:paighamemustafa2018@gmail.com